

مدیر اعلیٰ
مولانا محمد الیاس گھمن



جلد نمبر 1 جولائی، اگست 2012ء شماره 7,8

خصوصی شماره

- امت اور سراج امت
- سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
- سلام میں ہاتھ سے اشارہ کرنا
- رمضان کے ضروری مسائل
- بیس تراویح اور احتاف کا مسلک
- شوال کے 6 روزوں کی فضیلت
- چھ تکبیریں احادیث کی روشنی میں



مرکز اہل السنۃ والجماعۃ
87 جنوبی لاہور ڈسٹرکٹ



فقیہ سُرگودھا

ماہنامہ

شمارہ 708

جولائی، اگست 2012ء

جلد نمبر 1

مجلس ادارت

- مولانا محمد رضوان عزیز
- مفتی شبیر احمد حنفی
- مولانا محمد کلیم اللہ

انجمنی ہولڈرز ممبر لگائیں اور ہدیہ دینے والے اپنا نام لکھیں!

بفیضانِ نظر
تَحْقِيقُ الْعَرَبِ عَارِفُ الْبَلَدِ حَفِظَةُ الْمَوْلَانَا
وَالْعَجْمِ عَارِفُ الْبَلَدِ حَفِظَةُ الْمَوْلَانَا
حکیم شاہ محمد اختر حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ

مولانا محمد الیاس گھمن

بیرون ممالک

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر سالانہ
سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر سالانہ
ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر سالانہ

قیمت فی شمارہ 20/- روپے

سالانہ زر تعاون

240/- روپے

برائے رابطہ

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ

87 جنوبی لاہور ڈسٹرکٹ 0332-6311808

www.ahnafmedia.com

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ

فہرست

- 4 امام اعظم ابو حنیفہ امت اور سراج امت
مدیر اعلیٰ کے قلم سے
- 6 عظمت والی رات
مولانا محمد عاطف معاویہ حفظہ اللہ
- 11 بیس تراویح اور احناف کا مسلک
متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن
- 25 شوال کے 6 روزوں کی فضیلت
مولانا عابد جمشید رانا
- 31 چھ تکبیریں احادیث کی روشنی میں
مقام فقہ
- 40 علامہ خالد محمود مدظلہ العالی

جلیل القدر صحابی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما 47

مولانا محمد اکمل راجپوری حفظہ اللہ

حبر الامۃ سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما 54

مولانا محمد عاطف معاویہ حفظہ اللہ

سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ 51

مولانا محمد عبد اللہ معتمد حفظہ اللہ

فتاویٰ عالمگیری 62

مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ

درس سورۃ الناس 64

ضبط و ترتیب: مفتی شبیر احمد حفظہ اللہ

سلام میں ہاتھ سے اشارہ کرنا 77

مولانا محمد ابو بکر اوکاڑوی حفظہ اللہ

رمضان کے ضروری مسائل 78

مولانا محمد اشرف علی ہتھانوی رحمہ اللہ

امام اعظم ابو حنیفہ امت اور سراج امت

مدیر اعلیٰ کے قلم سے

گرد چھٹ گئی چند شوریدہ سروں کی آبلہ پائی نے صحراء کو سمیٹ کر رکھ دیا بدعت والحاد کے خارستان میں تلووں کو سہارنے والے کس قدر خوش تھے جب انہیں بام منزل سے پکارا گیا کہ آؤ تمہاری منزل تو یہ ہے روشن خیالی کی خیالی روشنی کسی چکاچوند سے امت کو اسلاف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی تو بندہ نے عزم کیا کہ ان شاء اللہ امت کے ان چراغوں کی روشنی کو اور تیز کریں گے اور اس روشنی سے مستفید ہونے کے راستے میں حائل شکوک و شبہات کی رکاوٹوں کو ختم کریں گے۔

پس پاکستان کے دار الخلافہ میں امت کے محسن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل و مناقب بیان کرنے اور امت کو سراج امت سے روشناس کروانے کے لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس کا تیسرا پروگرام 10 جون بروز اتوار 2012ء کو اسلام آباد ہوٹل میں وقوع پذیر ہوا۔ پروگرام ہماری توقع سے بڑھ کر کامیاب رہا اور عوام الناس، ڈاکٹروں سکالروں اور ایلٹیٹ کلاس طبقہ کے انتہائی ذوق و شوق سے شمولیت نے استاد محترم حضرت مولانا زاہد الراشدی حفظہ اللہ کے اس جملے کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ اگر ماضی کی ابھی گتھیاں امام اعظم کی فقیہانہ بصیرت سے سلجھی تھیں تو امت کا مستقبل بھی امام ابو حنیفہ ہی کی راہ دیکھ رہا ہے۔

آج اغیار ہمیں اپنے ماضی سے کاٹ کر مستقبل کے گرداب میں پھنسانا چاہتے ہیں جہاں کوئی راہ نما ہونہ نشان راہ، اس بین الاقوامی سازش کے راستے میں بندہ باندھنے کے لیے اور ذہنی آوارگی کی موثر روک تھام اور ریگولر مسلمانوں کو سیکولر ہونے سے بچانے کے لیے ہر سال اسلام آباد میں اور ملک بھر میں مختلف سیمینارز کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں سیاست و عسکریت

سے ہٹ کر خالصتاً علمی مسائل پر گفتگو کی جاتی ہے اور علم دوست طبقہ اس پروگرام کا سال بھر انتظار کرتا ہے۔ مقررہ وقت پر شروع ہو کر مقررہ وقت پر پروگرام کا پایہ تکمیل تک پہنچنا ہمارے خدا کا خالص فضل ہے اور ویسے بھی وقت کی پابندی زندہ قوموں کا شیوہ ہوتا ہے اور اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ پابندی وقت میں بحمد اللہ بے مثال جماعت ہے۔

مشائخ کی شرکت اور عوام الناس کے انہماک نے اس نورانی مجلس کو اور زیادہ پر نور بنا دیا خدا ہمارے عزائم کی تکمیل فرمائے اور انگریز کی پیدا کردہ آزادی مذہب کا بے ڈھب افسانہ طاق نسیاں بن جائے۔ آمین بجاہ النبی الامی الکریم

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی

کے ساتھ تلخی حیات لازمہ

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ تلخی حیات لازم ہے۔ جو اس میں شک کرے گا کافر ہو جائے۔ اس کی دلیل آیت ہے۔ ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا (سورہ طہ آیت 124) جو میری نافرمانی کرے گا اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی اور جملہ اسمیہ سے بیان فرمایا یعنی اس کی زندگی تلخ رہے گی، ہمیشہ پریشان رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ بالطف زندگی لازم ہے

اور اعمال صالحہ کے ساتھ کیا بشارت ہے؟ فرماتے ہیں فلنحیہ حیوة طیبہ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں رہے گا اس کو ہم ضرور ضرور بالطف حیات دیں گے۔ آہ! یہ ترجمہ حکیم الامت کا ہے۔ سبحان اللہ! حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں خالق حیات ہوں، میں زندگی دیتا ہوں تو جو مجھ کو خوش کرتا ہے میں اس کی حیات کو بالطف کر دیتا ہوں۔ اے ظالمو! تم لطف حیات کہاں تلاش کرنے جا رہے ہو؟ میرے غضب اور قہر کے اعمال میں، میری نافرمانی میں؟ اگر تم کو لطف لینا ہے تو مجھ سے تعلق قائم کرو، مجھ کو خوش رکھو، ان ننگی ٹانگوں میں کچھ نہیں ہے بس خون اور پیپ بھری ہوئی ہے، ابھی روح نکل جائے پھر دیکھنا کہ تین دن کے بعد کیا حال ہوتا ہے۔ (انتخاب: رانا محمد ارسلان، جامعہ اسلامیہ فاروق آباد)

عظمت والی رات

مولانا محمد عاطف معاویہ حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو گزشتہ امتوں کے مقابلے میں عمر بہت تھوڑی دی ہے جس کو بیان کرتے ہوئے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعمار امتی مابین ستین الی سبعین و اقلہم من یجوز ذلک. (ترمذی رقم 3550)

میری امت کے اکثر افراد کی عمر ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوگی بہت کم ایسے ہوں گے جن کی عمر اس سے زیادہ ہوگی۔ جب عمر کم ہوگی تو، عبادت بھی بنسبت پہلی امتوں کے کم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر احسان فرمایا کہ کم عمر میں اس امت کو کچھ ایسے اوقات، کچھ ایسی عبادات عطا فرمائیں جن کا اجر و ثواب گزشتہ امتوں کی ساری عمر کی عبادت سے بھی زیادہ ہے۔ ان اوقات میں سے رمضان المبارک کی ایک رات لیلۃ القدر بھی ہے جس میں عبادت کا ثواب کئی سالوں کی عبادت سے بھی زیادہ ہے اس رات کی فضیلت قرآن کریم میں بھی ہے اور حدیث مبارکہ میں بھی۔

قرآن کریم میں اس رات کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لیلۃ القدر خیر من الف شہر

(القدر: 3)

اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی افضل ہے۔

فائدہ: ہزار مہینہ سے بہتر، یہ عرب کا محاورہ ہے یہاں لغوی معنی مراد نہیں اہل عرب جب کسی چیز کی کثرت کو ذکر کرتے تو ہزار کا لفظ بولتے کہ فلاں شخص ہزاروں کا مالک ہے یعنی اس کے پاس دولت بہت زیادہ ہے اور یہ بات مسلمہ ہے کہ جب کوئی لفظ بطور محاورہ اور عرف عام کے

استعمال ہو تو وہاں لغوی معنیٰ مراد نہیں لیا جاتا اگر یہ بات ذہن میں ہو اور بندہ اس کو سمجھتا ہو تو کبھی مسائل شرعیہ پر اعتراض کا موقع ہی نہیں آتا اس کی مثال حدیث مبارکہ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا میرے بعد تم میں سے سب سے پہلے اس کا انتقال ہو گا جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں گے اطولکن یداً

(شرح مشکل الآثار ج 1 ص 202)

اب ہاتھ لمبے ہونے کا ایک لغوی معنیٰ ہے اور ایک عربی، لغوی معنیٰ یہ کہ جس کے ہاتھ ظاہری طور پر بڑے ہوں گے سب سے پہلے اس کا انتقال ہو گا چنانچہ ازواج مطہرات نے ظاہری معنیٰ سمجھتے ہوئے آپس میں ہاتھوں کی پیمائش شروع کر دی کہ دیکھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں ظاہری طور پر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ لمبے تھے لیکن سب سے پہلے انتقال حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہوا "اطولکن یداً" کا عربی معنیٰ اہل عرب جب کسی کی کثرت سخاوت کو ذکر کرتے تو کہتے کہ فلاں کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔ جب عربی معنیٰ کو دیکھا گیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا میں سخاوت کا مادہ بہت زیادہ تھا تو "اطولکن یداً" کا لغوی معنیٰ اور ہے اور عربی معنیٰ اور ہے جب کوئی لفظ بطور محاورہ اور عرف کے استعمال ہو تو وہاں اس کے لغوی معنیٰ کو لے کر اعتراض کرنا انسان کی حماقت کی دلیل ہے۔ اس کی ایک اور مثال فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ امام وہ شخص ہونا چاہیے "اصغرہم عضواً" جس کے عضو سب سے چھوٹے ہوں وہ لوگ جن کے دلوں میں فقہ کی دشمنی، فقہاء کی عداوت ہے انہوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ دیکھو جی فقہ میں کتنے گندے مسائل ہیں یہ اعتراض انہوں نے اس لیے کیا کہ وہ لغوی اور عربی معنیٰ کے فرق کو نہیں سمجھ سکے انہوں نے ظاہری اور لغوی معنیٰ کو لے کر اعتراض شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ لفظ بطور محاورہ اور عرف کے استعمال ہوا ہے۔ اہل عرب جب کسی شخص کی پاکدامنی کو ذکر کرتے تو کہتے "اصغرہم عضواً" فلاں شخص چھوٹے اعضاء کا مالک

ہے یعنی پاکدامن ہے اپنے اعصماء کی حفاظت کرتا ہے تو فقہاء کرام نے کہا ہے کہ امام وہ ہونا چاہیے جس کے اعصماء چھوٹے ہوں یعنی پاکدامن ہو۔ اب اس معنی میں کونسی قابل اعتراض بات ہے۔ مگر فقہ اور فقہاء سے بغض عداوت نے اعتراض پر مجبور کر دیا۔ یار لوگ چونکہ محاورات اور عرف عام سے جاہل ہیں اس لیے فوراً اعتراض شروع کر دیتے ہیں۔

لیلة القدر اور احادیث مبارکہ: جس طرح قرآن کریم میں لیلة القدر کی عظمت اہمیت بیان کی گئی ہے اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس رات کی فضیلت بیان فرمائی ہے یہاں ہم صرف ایک حدیث نقل کرتے ہیں مکمل روایات کا احاطہ مقصود نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من قام لیلة القدر ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم له من ذنبه

(صحیح بخاری ج 1 ص 270 باب فضل لیلة القدر)

جس شخص نے ایمان کی حالت میں خلوص نیت سے لیلة القدر میں عبادت کی تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ صرف ایک رات کی عبادت سے آدمی کے سارے گناہ معاف ہو جائیں۔ لیکن اس فضیلت کے حصول کے لیے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے 2 شرطیں ذکر کی ہیں،

1: عبادت کرنے والا مومن ہو یعنی عقیدہ صحیح ہو، اگر عقیدہ ہی غلط ہو تو ایک لیلة القدر نہیں ہزار لیلة القدر بھی عبادت کرتا رہے تو وہ محروم ہی رہے گا۔ کیونکہ عقیدہ اصل اور بنیاد ہے۔ اگر بنیاد ہی درست نہ ہو تو عبادت والی عمارت کیسے کھڑی ہوگی چنانچہ عربی کا ایک شعر ہے۔

ان العقائد كلها اس لاسلام الفتی

ان ضاع امر واحد من بینہن فقد غوی

یعنی عقائد اسلام کی بنیاد ہیں اگر ایک عقیدہ بھی غلط ہو گیا تو گمراہی مقدر بنے گی۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس رات کی برکت حاصل کرنے کے لیے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کو اپنائیں اور لوگوں میں بھی ان عقائد کی محنت کریں۔

2: عبادت کرنے والے کی نیت درست ہو، اگر نیت میں ریا، دکھلاوا آگیا تو رات بھر جاگنا اور عبادت کرنا کسی کام کا نہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں اور اس طرح کی احادیث میں جو عبادت پر گناہوں کی معافی کا تذکرہ ہے اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں باقی کبیرہ گناہ کی معافی کے لیے توبہ اور حقوق العباد والے گناہوں کی معافی کے لیے ان حقوق کی ادائیگی یا پھر صاحب حق سے معافی ضروری ہے صرف عبادت سے وہ کبھی معاف نہ ہوں گے۔

لیلۃ القدر کون سی رات ہے؟

لیلۃ القدر رمضان المبارک کی کون سی رات ہے؟ رب العالمین نے اس کو پوشیدہ رکھا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رات کی کوئی ایک تعیین نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ اس رات کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تحروا لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان۔

(صحیح بخاری ج 1 ص 270 باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر فیہ)

ترجمہ: لیلۃ القدر کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ یعنی، 21، 23، 25، 27، کی راتوں میں تلاش کرو۔ اسی طرح کی ایک حدیث مسند احمد (ج 16 ص 399 رقم 22612) میں بھی ہے جس میں حضرت عبادہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر کے متعلق سوال کیا کہ وہ کونسی رات ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

اس رات کی مخصوص دعا:

ام المؤمنین حضرت امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اگر مجھے لیلۃ القدر نصیب ہو جائے اور مجھے معلوم ہو جائے کہ آج لیلۃ القدر ہے تو میں کوئی دعا مانگوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے یوں دعا مانگنا: اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی

(سنن ابن ماجہ ص 274 باب الدعاء بالعفو والعافیۃ)

ترجمہ: اے پروردگار آپ بہت معاف فرمانے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند بھی فرماتے ہیں مولائے کریم مجھے معاف فرمادیں۔
عظمت والی رات میں ارتکاب منکرات:

بد قسمتی کہ اتنی برکتوں والی رات میں بھی امت کے بہت سارے افراد اعتدال کا دامن چھوڑ کر افراط و تفریط کر کے بجائے مغفرت کے عتاب کے مستحق بنے ہیں۔

1: پٹانے بجانا،

2: مساجد پر چرغاں کرنا،

3: اہتمام کے ساتھ اعلانات کر کے مساجد میں باجماعت صلوٰۃ التسلیم ادا کرنا وغیرہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو اس عظیم رات میں اپنی عبادت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اس رات کو ہماری بخشش کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم

بیس تراویح اور احناف کا مسلک

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

آج کل بعض غیر مقلدین کی طرف سے یہ سننے میں آرہا ہے کہ حنفی علماء بھی آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے اور ان قائلین میں بڑے بڑے حضرات علماء ہیں مثلاً:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام ابن ہمام رحمہ اللہ، علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ، امام طحاوی رحمہ اللہ، ملا علی قاری رحمہ اللہ، علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ، علامہ سیوطی رحمہ اللہ، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ وغیرہ یہ تمام حضرات آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے اور بطور دلائل کے یہ حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

مثلاً امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ حوالہ دیتے ہیں:

1: عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ عن ابی جعفر ان صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل كانت ثلاث عشر رکعة منهن ثلاث رکعات الوتر ورکعتا الفجر۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ؛ ابو جعفر سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تیرہ رکعتیں ہو کر تھی جس میں تین وتر اور دو فجر کی سنتیں شامل تھیں۔

(مسند امام اعظم ص 187 باب التہجد)

2: امام ابن ہمام کے بارے میں کہتے ہیں:

امام ابن حنفی رحمہ اللہ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا والی حدیث سے نتیجہ نکالا ہے:

فتحصل من هذا کلہ قیام رمضان سنتہ احدى عشر رکعة بالوتر فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(فتح القدیر شرح ہدایہ ج 1 ص 334 طبع مصر)

حاصل بحث یہ ہے کہ نماز تراویح و ترمیم گیارہ رکعات ہی سنت ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قدر نماز تراویح ادا کی۔ قال ابن ہمام ان ثمانیۃ رکعات سنۃ مؤکدۃ۔

(العرف الشذی ج 1 ص 166)

3: علامہ ابن نجیم حنفی: ابن نجیم المصری حنفی اپنی کتاب ”بحر الرائق“ میں فرماتے ہیں: وقد ثبت ان ذلك كان احدى عشرة ركعة بالوتر كما ثبت في الصحيحين من حديث عائشة فيكون المسنون على اصول مشائخنا ثمانية منها۔

(بحر الرائق ج 2 ص 66)

4: امام طحاوی نے بھی در مختار میں یہی لکھا ہے جو امام ابن ہمام سے منقول ہے۔

5: ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اعلم انه لم يوقت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في التراويح عدداً معيناً بل لا يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

6: علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وكان النبي صلى الله عليه وسلم قيامه بالليل هو وتره يصلي بالليل في رمضان وغيره احدى عشرة ركعة

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لم يثبت انه صلى الله عليه وسلم صلى عشرین ركعة والوجه الثاني انه قد ثبت في صحيح البخاری وغيره ان عائشة سئلت عن قيام رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان فقالت ما كان يزيد رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة

(المصنوع في الصلوة التراویح ص 603)

7: مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

آٹھ رکعتیں اور تین رکعات و ترابا جماعت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین راتوں سے زیادہ منقول نہیں اس لئے کہ امت پر نماز تراویح فرض نہ ہو جائے۔

مجموع فتاویٰ ج 1 ص 354

8: سید محمد انور شاہ کشمیری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی ثابت ہے کہ حضور کی تراویح آٹھ رکعات ہے: ولا مفاصل من تسليم ان تراويحه عليه السلام كانت ثمانية ركعات۔ (العرف الشذی ج 1 ص 101، 166)

9: مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی رحمہ اللہ کشف الغطاء تعلیق مؤطا مالک ص 96 میں لکھتے ہیں قال الكرمانی اتفقوا على ان المراد بقيام رمضان صلوة التراويح کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بالاتفاق قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔ ما جاء في قيام شهر رمضان ويسمى التراويح كما تقدم قال الكرمانی اتفقوا على ان المراد بقيام رمضان التراويح وبه جزم النووي وغيره۔

(ص 97 کشف الغطا)

یہ وہ مذکورہ حوالا جات ہیں جن کے پیش نظر کہتے ہیں کہ حنفی علماء بھی آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے۔ مذکورہ بالا حوالوں کی روشنی میں وضاحت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا واقعی ان حضرات کا یہی موقف تھا جو اوپر بیان ہوا۔۔۔؟ السائل کاشف احمد، گجرات

الجواب بعون الوهاب:

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیشہ اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائے آپ نے سوال میں جن بعض اکابر کے نام لیے ہیں یقیناً وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے تعلق رکھتے ہیں اور جمہور اہل علم کے ساتھ متفق ہیں اللہ ہم سب کا انہی کے ساتھ تعلق قائم و دائم رکھے۔

1: امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک:

مسند امام اعظم سے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے وہ تہجد کے متعلق ہے نہ کہ تراویح کے۔ خود حدیث میں صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل کے الفاظ موجود ہیں جن کا معنی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ رکعات ہوتی تھی اور رات کی نماز سے مراد تہجد ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد تیرہ رکعات ہوتی تھی و تر بھی اس میں شامل ہوتے تھے۔

حدیث مبارکہ میں لفظ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امام صاحب تو نماز تہجد کی رکعات ثابت کر رہے ہیں نہ کہ نماز تراویح کی۔ مناسب ہے کہ آپ کے سامنے امام صاحب رحمہ اللہ کا مسلک بھی نقل کر دیا جائے تاکہ بات کھل کر سامنے آجائے۔ کتاب الآثار لابن یوسف میں روایت موجود ہے ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم ان الناس كانوا یصلون خمساً و یحاجون فی رمضان۔ ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حماد سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک لوگ رمضان میں پانچ ترویجے یعنی بیس رکعات پڑھاتے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے: الترویح سنة مؤکدة للرجال والنساء توارثها الخلف عن السلف من لدن تاریخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا وھکذا روی الحسن عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ انھا سنة لا ینبغی ترکھا۔۔۔ وقد واطب علیھا الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم وقال علیہ السلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء من بعدی۔

(فتاویٰ قاضی خان برہامش فتاویٰ عالمگیریہ ج 1 ص 332)

ترجمہ: نماز تراویح مردوں اور عورتوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر دور کے اخلاف (بعد والوں) نے اپنے اسلاف (پہلے والوں) سے اس کو توارث سے پایا ہے اور اسی طرح حسن رحمہ اللہ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک تراویح سنت ہے اس کو چھوڑنا، نامناسب ہے، پھر لکھتے ہیں: مقدار التراويح عند اصحابنا والشافعی رحمہ اللہ ما روی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ قال القیام فی شہر رمضان سنة لا ینبغی ترکہا یصلی اہل کل مسجد فی مسجدہم کل لیلۃ سوی الوتر عشرین رکعة خمس ترویحات بعشر۔ تسلیمات یسلم فی کل رکعتین۔

(فتاویٰ قاضی خان ص 234)

ترجمہ: تراویح کی مقدار ہمارے اصحاب و امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو حسن رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے فرمایا قیام رمضان (تراویح) سنت ہے اس کو ترک کرنا، نامناسب ہے۔ ہر مسجد والے اپنی مسجد میں ہر رات وتروں کے علاوہ بیس رکعات تراویح پڑھیں۔ پانچ ترویحے۔ دس سلاموں کے ساتھ اور ہر دور کعت کے بعد سلام پھیر دیں۔

بدایۃ المجتہد میں ہے: فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفۃ والشافعی و احمد و داؤد رحمہم اللہ القیام بعشرین رکعة سوی الوتر۔

(بدایۃ المجتہد ج 1 ص 210)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور داؤد ظاہری نے بیس رکعات تراویح کا قیام پسند کیا ہے، سوائے وتر کے۔

رحمۃ الامت میں ہے:

فالمسنون عند ابی حنیفۃ والشافعی و احمد رحمہم اللہ عشرون رکعة۔

(رحمۃ الامت ص 23)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مسنون تراویح بیس رکعات ہیں۔

محترم قارئین! فقہ حنفیہ کے تمام متون اور شروحات میں التواویح عشرون رکعات اور خمس تراویحات کی تصریح موجود ہے لیکن اتنی بڑی تصریحات کے باوجود معترضین کا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نام پر عوام الناس کو دھوکہ دینا اور ان کی طرف آٹھ رکعات تراویح کی جھوٹی نسبت کرنا نہایت تعجب خیز ہے اور حیران کن۔

2: امام ابن ہمام کا شاذ قول:

محترم قارئین! مذکور بالا امام ابن ہمام کے قول کی حیثیت شاذ اور مرجوح ہے اور ان کا ذاتی تفرہ ہے ہمارے علماء اہل السنۃ اس کی تصریح بارہا کر چکے ہیں کہ شاذ اور تفردات کا کوئی اعتبار نہیں چنانچہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ کے عظیم شاگرد علامہ قاسم بن قطلوبغا فرماتے ہیں: لا عبرۃ بأبحاث شیخنا یعنی ابن الہمام النبی خالفت المنقول یعنی فی المذہب۔

(شامی ج 1 ص 225)

ترجمہ: ہمارے شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ کی وہ بحثیں جن میں منقول فی المذہب مسائل کی مخالفت ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

باقی معترضین کا یہ کہنا کہ امام ابن ہمام آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں یہ بات سراسر بددیانتی ہے کیونکہ امام ابن ہمام آٹھ رکعات تراویح کے قائل نہیں بلکہ وہ بھی پوری امت کی طرح بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

ثم استقر الامر على العشرين فإنه المتوارث۔

(فتح القدیر ج 1 ص 407)

یعنی بالآخر تراویح کے مسئلہ نے بیس رکعات پر استقرار پکڑا پس عمل توارث کے ساتھ چلا آرہا ہے۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ بیس رکعات تراویح کے ہی قائل ہیں البتہ ان کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو مستحب سمجھنا اور تہجد و تراویح کی الگ الگ حدیثوں کو ایک دوسرے کا معارض سمجھنا شاذ، خلافِ اجماع ہے اور تفرد ہے۔

اہل السنۃ والجماعت کا اصول ہے وان الحکم والفتیۃ بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع

(در مختار ج 1 ص 31)

یعنی قاضی کا حکم کرنا یا مفتی کا فتویٰ دینا مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔ یعنی باطل اور حرام ہے۔

3: ابن نجیم حنفی کا مسلک:

ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ کے بارے میں بھی معترضین ان کی ایک عبارت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے حالانکہ امام ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قوله عشر وون رکعة بیان لکمیتہا وهو قول الجمهور لما فی المؤطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بثلاث و عشرین رکعة وعلیہ عمل الناس شرقاً و غرباً۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج 2 ص 66)

ترجمہ: مصنف کا قول ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے یہ نماز تراویح کے عدد کا بیان ہے کہ وہ بیس رکعات ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اس لئے کہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں یزید بن رومان رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں

لوگ 23 رکعات پڑھتے تھے (بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر) مشرق اور مغرب میں لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔

4: امام طحاوی کا مسلک:

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل نہیں بلکہ وہ بھی دوسرے علماء احناف کی طرح بیس کے قائل ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح پر تو ارث کے ساتھ اجماع ہے۔

(طحطاوی ج 1 ص 468)

5: ملا علی قاری حنفی کا مسلک:

ملا علی قاری رحمہ اللہ کے نام سے جو عبارت پیش کی گئی وہ عبارت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی نہیں بلکہ انہوں نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ حنفی بذات خود بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لکن اجمع الصحابة علی ان التراويح عشرون رکعة یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس رکعات تراویح پر اجماع ہے۔

(مرقاۃ ج 3 ص 194)

اسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح نقایہ ص 104 میں بھی بیس رکعات تراویح پر اجماع نقل کیا ہے۔

6: امام سیوطی کا مسلک

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں، چنانچہ امام موصوف: علامہ سبکی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ”ومذهبنا ان التراويح عشرون رکعة لما روى البيهقي وغيره بالاسناد الصحيح عن السائب بن يزيد الصحابي رضي

اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا نقوم علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعة والوتر۔
(الحاوی للفتاویٰ ج 1 ص 350)

اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ نماز تراویح بیس رکعات ہے اس لیے کہ بیہقی وغیرہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بیس رکعات تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ پھر لکھا ہے: استقر العمل علی هذا۔ یعنی بالآخر بیس رکعات تراویح پر عمل پختہ ہوا یعنی خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیس رکعات پر اتفاق اور اجماع کیا ہے۔

اور پھر بعض لوگ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو اپنا ہم خیال سمجھ کر ان کی یہ عبارت نقل کر دیتے ہیں: واما ما رواه ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر فاسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشة هذا الذی فی الصحیحین مع کونها اعلم بحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلان من غیرہا واللہ اعلم۔

(فتح الباری ج 4 ص 319)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ مسئلہ تراویح میں امام شافعی رحمہ اللہ کے سچے پیروکار تھے اور شافیعہ کا بیس رکعات تراویح پر اتفاق چلا آ رہا ہے۔

امام موصوف؛ امام رافعی رحمہ اللہ کے واسطے سے نقل کرتے ہیں: انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعة لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیہم ثم قال من الغد خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیعونہا اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ”متفق علی صحۃ“ اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

(تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافع الکبیر ج 1 ص 540)

معلوم ہوا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے نزدیک جس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے اس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔
7: علامہ عبدالحی لکھنوی کا مسلک:

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کے مجموعہ فتاویٰ سے سوال اور جواب ملاحظہ فرمائیں۔
سوال: حنفیہ بست رکعت تراویح سوائے وتر میخوانند و در حدیث صحیح از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وارد شدہ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ پس سند بست رکعت چیست؟

جواب: روایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان و غیر رمضان یکساں بود و غالباً بعد یازدہ رکعت مع الوتر بر سند و دلیل بریں محل آنست کہ راوی این حدیث ابو سلمہ است در نئیہ این حدیث میگوید قالت عائشہ رضی اللہ عنہا فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنام قبل ان توتر قال یا عائشہ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی کذا رواہ البخاری و مسلم و نماز تراویح در عرف آں وقت قیام رمضان مے گفتند و حد صحاح ستہ بروایات صحیحہ مرفوعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعین عدد قیام رمضان مصرح نشدہ این قدر ہست کہ قالت عائشہ کان رسول اللہ یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلم لیکن در مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی بروایت ابن عباس وارد شدہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصلی فی رمضان جماعۃ بعشرین رکعۃ و الوتر و رواہ البیہقی فی سننہ بأسناد صحیح عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون فی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ۔

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ ص 58، 59)

اس عبارت میں وضاحت کے ساتھ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ بیس رکعات تراویح صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہے اور امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت تہجد پر محمول ہے پھر بھی ان کے نام لے کر یہ کہنا کہ وہ آٹھ رکعات تراویح کے قائل تھے بہر حال ہماری سمجھ سے دور ہے۔

مولانا موصوف اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں: ان مجموع عشرین رکعة فی التراویح سنة مؤكدة لانه مما واظب عليه الخلفاء وان لم يواظب عليه النبي صلى الله عليه وآله وسلم وقد سبق ان سنة الخلفاء ايضاً لازم الاتباع وتاركها اثم وان كان اثمه دون اثم تارك السنة النبوية فمن اكتفى على ثمان ركعات يكون مسيئاً لتركه سنة الخلفاء وان شئت ترتيبه على سبيل القياس فقل عشرون ركعة في التراویح مما واظب عليه الخلفاء الراشدون وكل ما واظب عليه الخلفاء سنة مؤكدة ثم تضمه مع ان كل سنة مؤكدة ياتم تاركها فينتبع عشرون ركعة ياتم تاركها ومقدمات هذا القياس قد اثبتناها في الاصول السابقة۔

(تحفة الاخيار فی احیاء سنتہ سید الا برار ص 209)

ترجمہ: تراویح میں بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں اس لئے کہ اس پر خلفائے راشدین نے مداومت کی ہے اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مداومت نہیں کی اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہے اگرچہ اس کا گناہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ترک کرنے والے سے کم ہے لہذا جو شخص آٹھ رکعات پر اکتفاء کرے وہ بر اکام کرنے والا ہے کیونکہ اس نے خلفاء راشدین کی سنت ترک کر دی اگر تم قیاس کے طریقے پر اس کی ترتیب سمجھنا چاہو تو یوں کہو بیس رکعات تراویح پر خلفاء راشدین نے مواظبت کی اور جس پر خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہو وہ سنت مؤکدہ ہے لہذا بیس رکعات تراویح بھی سنت مؤکدہ ہے پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ سنت مؤکدہ کا تارک

گنہگار ہوتا ہے لہذا بیس رکعات کا تارک بھی گنہگار ہو گا۔ اس قیاس کے مقدمات ہم اصول سابقہ میں ثابت کر چکے ہیں۔

قارئین! مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات تراویح پڑھ کر باقی رکعتوں کو چھوڑنے والا گنہگار ہے کیونکہ بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ ہدایہ کے حاشیہ پر رقمطراز ہیں: فمودی ثمان رکعات یكون تارکاً للسنة المؤکدہ۔

(حاشیہ ہدایہ ج 1 ص 131 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

یعنی صرف آٹھ رکعات تراویح ادا کرنے والا سنت مؤکدہ کا تارک (گناہ گار) ہے کیونکہ سنت مؤکدہ کو ترک کرنا گناہ ہے۔

علاوہ ازیں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے موطا امام محمد کے حاشیہ پر لکھا: بیس رکعات تراویح پر اجماع ہے اور نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے۔

8: علامہ انور شاہ کشمیری کا مسلک:

امام العصر خاتم الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری خود بیس تراویح کے قائل ہیں اور آٹھ رکعات پڑھنے والے کو سواد اعظم (اہل السنۃ والجماعت) سے خارج سمجھتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: واما من اکتفی بالركعات الثمانیہ وشذ عن السواد الاعظم وحبل یرمیہم بالبدعة فلیبر عاقبة۔

(فیض الباری شرح صحیح بخاری ج 3 ص 181)

یعنی جو شخص آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور سواد اعظم کو بدعتی کہتا ہے وہ اپنا انجام سوچ لے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: لم یقل احد من الائمة الاربعة بأقل من عشرين ركعة فی التراويح والیہ جمہور الصحابة رضی اللہ عنہم... وقال ابن

ہمام ان ثمانیۃ رکعات سنۃ مؤکدۃ وثننتی عشر رکعۃ مستحبۃ وما قال بهذا احد
اقول ان سنۃ الخلفاء الراشدین ایضاً یكون سنۃ الشریعۃ لما فی الاصول ان السنۃ
سنۃ الخلفاء وسنۃ علیہ السلام وقد صح فی الحدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء
الراشدین المہدیین فیكون فعل الفاروق الاعظم ایضاً سنۃ... ففی التاتارخانیۃ
سئل ابو یوسف اباً حنفیۃ رحمہ اللہ ان اعلان عمر بعشرین رکعۃ هل کان لہ عہد منہ
علیہ السلام قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ ما کان عمر مبتدعاً ای لعلہ یكون لہ عہد فدل
علی ان عشرین رکعۃ لا بدلہ من ان یكون لہا اصل منہ علیہ السلام... واستقر الامر
علی عشرین رکعۃ۔

(العرف الشذی علی حاشی الترمذی ج 1 ص 99، 100)

ترجمہ: ائمہ اربعہ میں سے کسی نے نہیں کہا کہ نماز تراویح بیس رکعات سے کم ہے اور اسی
طرف جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم گئے ہیں اور ابن ہمام رحمہ اللہ نے جو کہا ہے کہ آٹھ
رکعات سنت مؤکدہ ہے اور بارہ رکعات مستحب ہے اور یہ بات کسی اور نے نہیں کہی (یعنی ابن
ہمام رحمہ اللہ کا تفرد ہے) میں کہتا ہوں کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی شریعت کی سنت ہے
کیونکہ اصول میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدین کی سنت، سنت
ہے اور یہ بات صحیح حدیث میں ہے کہ تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین، ہدیین کی سنت لازم
ہے، فاروق اعظم کا عمل بھی سنت ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بیس رکعات تراویح
کا اعلان کیا ہے کیا انہوں نے اس کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا ہے؟ امام ابو حنیفہ
رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (معاذ اللہ) مبتدع نہیں تھے یعنی شاید ان
کے پاس اس کا علم تھا یہ بات دلالت کرتی ہے کہ لامحالہ بیس رکعات تراویح کی اصل خود حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور تراویح کا استقرار بیس رکعات پر ہے۔

9: مولانا شفاق الرحمن کاندھلوی کا مسلک:

مولانا موصوف بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: والظاہر عندی مارحہ ابن عبد البر لان جل المروایات نص فی انها کانت عشرين رکعة۔
(کشف الغطاء حاشیہ مؤطا امام مالک ص 98)
میرے نزدیک بھی بات وہی ہے جس کو ابن عبد البر نے ترجیح دی ہے بیس رکعات تراویح کیونکہ بڑی بڑی روایات اس بارے میں واضح ہیں کہ نماز تراویح بیس رکعات ہے۔
اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خلفائے راشدین، صحابہ کرام، فقہاء عظام و مجتہدین اور امت کے اجماع کے مطابق بیس رکعات تراویح مسنون ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم

ہر گناہ میں عذاب کی خاصیت ہے

حضرت حکیم اختر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر قلب سلیم ہے تو ہر گناہ میں اس کو عذاب محسوس ہو گا۔ اگر ایک نظر بھی کسی لڑکی پر یا کسی بھی حسین پر ڈال دی تو اس کے دل کے عذاب شروع ہو گیا، اس کو پریشانی اور اندھیرے محسوس ہوں گے بشرطیکہ قلب سلیم ہو اور گناہوں کے تسلسل سے مرد نہ ہو چکا ہو تو ایک نظر غلط پڑنے سے کانپ جائے گا۔ اس لیے وہ کہے گا کہ توبہ کے راستہ ہی میں خیریت ہے، آنکھ بند رکھو اور سکون سے رہو۔ یہاں ری یونین کی سڑکوں پر بس ڈرائیور تو آنکھیں کھلی رکھے گا، وہ اگر آنکھ بند کرے گا تو ایک سیڈنٹ ہو جائے گا لیکن باقی لوگوں کو ادھر ادھر جھانکنا مناسب نہیں ورنہ گناہ سے نہیں بچ سکتے یہاں عدم قصد نظر ضروری ہے یعنی سڑکوں پر ٹکلتے وقت دیکھنے کا ارادہ نہ ہونا کافی نہیں بلکہ گھر سے نکلتے وقت یہ ارادہ ہو کہ نہیں دیکھنا ہے تو کامیاب ہو جائے گا۔

(انتخاب امجد اسلام امجد، کراچی)

شوال کے 6 روزوں کی فضیلت

مولانا عابد جمشید رانا

شوال کے ان چھ روزوں کا ثواب ایک سال کے روزے کے برابر ہے۔۔

یہ موقع بھی رمضان کی طرح سال میں ایک بار آتا ہے لہذا اس کو ضائع نہ کیا جائے کیوں کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے۔

عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ، ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قال: من صام رمضان، ثم اتبعه ستاً من شوال کان کصیام الدھر

(رواہ مسلم، کتاب الصیام، رقم الحدیث 1164)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد شوال کے چھ (نفلی) روزے رکھے تو یہ پورے زمانے کے روزے رکھنے کی مانند ہے۔“

فوائد الحسنۃ بعشر۔ امثالہا (ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہے) کے مطابق

ایک مہینے (رمضان) کے روزے دس مہینوں کے برابر ہیں، اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھ لیے جائیں جنہیں شش عید روزے کہا جاتا ہے تو یہ دو مہینے کے برابر ہو گئے یوں گویا پورے سال کے روزوں کا مستحق ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں اس نے پورے سال کے روزے رکھے اور جس کا یہ مستقل معمول ہو جائے تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے پوری زندگی روزوں کے ساتھ گزاری وہ اللہ کے ہاں ہمیشہ روزہ رکھنے والا شمار ہو گا۔ اس اعتبار سے یہ شش عید روزے بڑی اہمیت رکھتے ہیں گو ان کی حیثیت نفلی روزوں ہی کی ہے۔ یہ روزے متواتر رکھ لیے جائیں یا ناغہ کر کے، دونوں طرح جائز ہیں، تاہم شوال کے مہینے میں رکھنے ضروری ہیں۔ اسی

طرح جن کے رمضان کے فرضی روزے بیماری یا سفر کی وجہ سے رہ گئے ہوں، ان کیلئے ضروری ہے کہ پہلے وہ فرضی روزوں کی قضا دیں اور اس کے بعد شوال کے چھ نفلی روزے رکھیں۔

شوال کے چھ روزوں کی بابت:

علامہ قاسم بن قطلوبغا کی تحقیق (۲)

مالکیہ کے صحیح مذہب کی تفصیل: چونکہ ان روزوں کی نفی کے بارے میں سب سے زیادہ پیش کی جانی والی دلیل امام مالک کا قول ہے، اس لئے مالکیہ کی معتبر کتابوں سے اس بارے میں وہ تصریحات بھی پیش کی جاتی ہیں جن سے ان کا مذہب، جمہور کے مذہب کے قریب نظر آتا ہے اور امام مالک کے قول کی صحیح تشریح بھی ہو جاتی ہے۔

۱:- سب سے پہلے شرح زر قانی کی عبارت ذکر کرتے ہیں جس میں ”موطا“ والی ان کی روایت کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

”یہی کہتے ہیں: کہ میں نے عید الفطر کے بعد چھ روزوں کے بارے میں امام مالک کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ”میں نے اہل علم و فقہ (اور اہل اجتہاد) میں سے کسی کو یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی سلف میں سے (جن حضرات کو میں نے نہیں پایا، جیسے صحابہ اور کبار تابعین) کسی سے کوئی روایت پہنچی، چنانچہ اہل علم اس کو پسند نہیں کرتے تھے، اور ان کو اس کے بدعت بن جانے اور بے علم لوگوں کا رمضان کے ساتھ غیر رمضان کو ملانے کا اندیشہ تھا۔“

مطرف فرماتے ہیں کہ: امام مالک نے اس مذکورہ وجہ کی بنیاد پر ان روزوں کو مکروہ سمجھا تھا، ورنہ جو شخص صرف فضیلت کے حصول کی نیت سے یہ روزے رکھے تو اس کے لئے کراہت نہیں، صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں حضرت ابو ایوب انصاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ اور روزے رکھے تو یہ پورا سال روزے رکھنے کی طرح ہے۔“

قاضی عیاض فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک نیکی دس کے برابر ہے اور چھ روزوں سے ایک سال کا حساب پورا ہو جاتا ہے، جیسا کہ نسائی نے روایت کیا ہے۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے اس وجہ سے اس کو مکروہ قرار دیا کہ کہیں جاہل لوگ رمضان کے ساتھ غیر رمضان کو جوڑ نہ دیں، البتہ شریعت (کے بیان کردہ فضیلت) کی بناء پر یہ روزہ رکھنا مکروہ نہیں۔

نیز کہا گیا ہے کہ امام مالک کو (متعلقہ) حدیث نہیں پہنچ سکی یا (پہنچی تو صحیح مگر) ان کے نزدیک (استدلال کے درجہ میں) ثابت نہ ہو سکی یا اہل مدینہ کا عمل اس کے برعکس تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے عید کے دن کے ساتھ ملا کر رکھنے کو مکروہ سمجھا ہو، چنانچہ اگر مہینہ کے درمیان میں رکھے تو پھر کوئی کراہت نہیں اور ان کے قول ”ستۃ ایام بعد الفطر من رمضان“ کا ظاہری معنی بھی یہی بنتا ہے اور ابو عمر (ابن عبد البر) فرماتے ہیں کہ: امام مالک بچ بچ کر چلنے والے دین کے معاملہ میں نہایت احتیاط برتنے والے آدمی تھے، اور روزہ ویسے تو ایک نیک عمل ہے مگر (یہاں) اس کا رکھنا بھی اچھا نہیں سمجھا (کیونکہ) بے علم لوگوں کی کوتاہی کا اندیشہ تھا، جیسا کہ خود بیان کیا ہے۔ امام مالک کے نزدیک (متعلقہ) حدیث ثابت نہ ہو سکنے (حالانکہ صحیح مسلم میں موجود ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں سعد بن سعید راوی ہیں جس کو امام احمد نے ضعیف کہا ہے، اور نسائی نے کہا کہ: لیس بالقوی اور ابن سعد نے کہا: ثقہ قلیل الحدیث اور ابن عیینہ وغیرہ نے کہا کہ: یہ حدیث ابو ایوب پر موقوف ہے، یعنی اس بات کا امکان ہے کہ یہ ان کی اپنی رائے ہو، کیونکہ ایک نیکی تو ویسے بھی دس کے بدلے میں ہے تو اس حدیث کی دو علتیں ہوں گی: ایک اس کے راوی میں اختلاف ہونا، دوسری موقوف کہا جانا (انتہی) (۱۴)

۲:- ابن رشد نے ”بدایۃ المجتہد“ میں لکھا ہے:

”بہر حال شوال کے چھ روزے کے بارے میں ثابت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ اور رکھے، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے پورے سال روزے رکھے۔“

مگر امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے، اس کی وجہ یہ تو یہ ہے کہ ان کو اس بات کا خوف تھا کہ کہیں عام لوگ رمضان کے ساتھ غیر رمضان کو جوڑ نہ دیں اور یا اس وجہ سے کہ ان کو متعلقہ حدیث نہیں پہنچ سکی، یا یہ حدیث ہی ان کے نزدیک استدلال کے درجہ کو نہیں پہنچ پاتی اور یہی (توجیہ) زیادہ واضح ہے۔“ (۱۵)

۳:- علامہ ابن شاش التونیؒ نے ”عقد الجواهر الشبینة فی مذهب عالم المدینة“ میں لکھا ہے:

”صحیح روایت میں شوال کے چھ روزوں کا ذکر آیا ہے، مگر امام مالک کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ کہیں جاہل لوگ فرائض کے ساتھ غیر فرض کو شامل نہ کر بیٹھیں، تحدید کی کراہت میں ان کے اصل کے مطابق، چنانچہ ان دنوں کے علاوہ ان روزوں کے رکھنے کو مستحب سمجھا ہے، کیونکہ اس سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے یعنی ان چھ دنوں اور رمضان کے روزوں کے ثواب کا کئی گنا ہو جانا یہاں تک کہ ایک سال کی تعداد کو پہنچ جائیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”رمضان کے روزے دس مہینوں کے برابر ہیں اور چھ روزے دو مہینوں کے برابر، تو یہ ایک سال کے روزے ہو گئے۔“

ان روزوں کے لئے شوال کو مقرر کرنے کی بنیاد مکلف کے لئے آسانی پیدا کرنے پر ہے، کیونکہ اس کو روزہ رکھنے کی عادت ہو گئی ہے، مذکورہ وقت کے ساتھ اس کے حکم کو خاص کرنا مقصود نہیں، لا محالہ اگر کوئی عشرہ ذی الحجہ کے دوران رکھے گا، جبکہ اس میں روزہ رکھنے کی

بھی فضیلت آئی ہے، تو بہت ہی بہتر ہوگا، کیونکہ مقصود یہاں بھی حاصل ہوتا ہے، ساتھ میں اس عشرہ کی فضیلت بھی حاصل ہوگی اور امام مالک کو جس چیز کا اندیشہ تھا، اس سے بھی حفاظت رہے گی۔“ (۱۶)

۴:- امام قرانی المتوفی: ۶۸۴ھ نے ”الذخیرۃ“ میں لکھا ہے: ”صحیح مسلم میں ہے ”جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ اور رکھے تو گویا اس نے پورا سال روزے رکھے، امام مالک شوال کے علاوہ کسی اور مہینے میں ان روزوں کے رکھنے کو مستحب سمجھتے ہیں، اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں جاہل لوگ ان کو رمضان کے ساتھ ہی شامل نہ کر دیں اور جہاں تک شوال کی بات ہے تو شریعت نے صرف مکلف کی آسانی کی خاطر اس کی تعیین کی ہے، کیونکہ یہ مہینہ رمضان کے قریب ہے، ورنہ مقصد تو دوسرے مہینے میں بھی حاصل ہو جاتا ہے، لہذا دونوں مصلحتوں کی خاطر تاخیر مشروع ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: ”فکما صام الدھر“ کا معنی یہ ہے کہ ایک نیکی دس کے برابر ہے، تو ایک مہینہ دس مہینوں کے اور چھ روزے ساٹھ دن کے برابر ہو گئے تو یہ ایک سال کا حساب ہو گیا اور جب سالہا سال اس طرح کرے گا تو گویا اس نے ساری زندگی روزے رکھے۔

سوال: تشبیہ میں مساوات یا مقارنہ شرط ہوتا ہے اور یہاں تو کوئی نہیں، اس وجہ سے کہ یہ روزہ صوم الدھر کا عشر ہے اور کسی چیز کے عشر اور کل میں کوئی مقارنہ نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ گویا صوم الدھر رکھ لیا، اگر کسی دوسری امت میں سے ہوتا۔ کیونکہ ہمارا ایک مہینہ ہم سے پہلی امتوں کے دس مہینوں کے برابر ہے اور ہمارے چھ روز ان کے دو مہینوں کے برابر ہیں، لہذا ہر اعتبار سے مساوات پائی گئی۔ تنبیہ: یہ ثواب مختلف الاجر ہے، اس طرح کہ اس میں سے پانچ سدس تو مرتبہ کے اعتبار سے بڑے درجہ میں ہے، کیونکہ وہ واجب کے باب میں سے ہے اور ایک سدس نفل کا ثواب ہے۔

فائدہ: روایت میں ”بست“ کے الفاظ ہیں تذکیر کے ساتھ اصل کی رعایت کی خاطر ”بستہ“ نہیں فرمایا، جبکہ عدد میں مذکر کے لئے تانیث ضروری ہے، کیونکہ عرب لوگ یلی کو سبقت کی وجہ سے ایام پر غلبہ دیتے ہیں، جیسا کہ آپ کہتے ہیں: ”لعشر مضین من الشهر“۔ (۱۷)

دور اخیر کے محقق عبدالعزیز بن صدیق العماری نے بھی ”شرح الثماریۃ“ میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس مسئلے میں متکلم فیہ روایت کا سہارا لینے والوں کی خوب خبر لی ہے، کیونکہ اس باب کی روایات تو اتر کی حدود کو چھو رہی ہیں۔ موصوف کا ان روایات پر تفصیلی کام کرنے کا بھی ارادہ تھا (۱۸) اگر وہ یہ کر چکے ہوں تو پھر بزعم خویش محققین کے لئے گنجائش نہیں چھوڑی ہوگی۔ اس باب کے دیگر موضوعات کو مستقل رسالہ لکھنے تک چھوڑ دیتے ہیں۔ ان شاء اللہ

حوالہ جات اور مآخذ:

۱۴- شرح الزر قانی ۲/ ۱۹۰

۱۵- بدایۃ المجتہد لابن رشد الحفید ۱/ ۳۰۸

۱۶- عقد الجواہر الثمینۃ فی مذہب عالم المدینۃ لابن شاش المالکی ۱/ ۳۶۹ طبع دار العرب الاسلامی

بیروت

۱۷- الذخیرۃ للقرانی المتوفی: ۶۸۴ھ ۲/ ۵۳۰ طبع: دار الغرب الاسلامی بیروت

۱۸- اتحاف ذوی الہم العالیۃ بشرح الثماریۃ ص: ۱۵۵-۱۵۷ ابوالیسر عبدالعزیز بن صدیق

الغماری طبع دار البشائر الاسلامیۃ ۱۴۲۲ھ

چھ تکبیریں احادیث کی روشنی میں

قارئین کرام! ہم پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ نماز عید میں چھ زائد تکبیریں سنت رسول ہیں، سنت صحابہ اور سنت تابعین ہیں۔ ثبوت کے طور پر چند احادیث و آثار ملاحظہ فرمائیں لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ نماز عید میں بحالت قیام تین تکبیریں اصلی ہیں یعنی تکبیر تحریمہ اور رکوع کی دو تکبیریں، ان کو تکبیرات صلاتیہ بھی کہا جاتا ہے اور چھ زائد تکبیریں ہیں۔ بعض احادیث میں مجموعی تعداد نو کا ذکر ہے، بعض میں پہلی رکعت میں پانچ کا اور دوسری رکعت میں چار کا ذکر ہے، بعض میں چار چار تکبیروں کا ذکر ہے یعنی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ سمیت قراءۃ کے پہلے چار تکبیریں ہیں اور رکوع والی تکبیر ان سے الگ قراءۃ کے بعد ہے اور دوسری رکعت میں قراءۃ کے بعد تکبیر رکوع سمیت چار تکبیریں ہیں۔ حاصل سب کا ایک ہے کہ نماز عید میں بحالت قیام مجموعی طور پر نو تکبیریں ہیں، تین تکبیرات صلاتیہ (یعنی تکبیر تحریمہ اور رکوع کی دو تکبیریں اور) چھ زائد تکبیریں۔

حدیث نمبر 1: ان القاسم اباعبد الرحمن حدثه قال حدثني بعض اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم يوم عید فکبر اربعاً واربعاً ثم اقبل علينا بوجهه حين انصرف فقال لا تنسوا کتکبیر الجنائز و اشار باصابعه و قبض ایهامه۔

(طحاوی ج 3 ص 371)

ابو عبد الرحمن قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید پڑھائی۔ پس آپ نے چار چار تکبیریں کہیں پھر نماز سے فارغ ہو کر رخ انور ہماری طرف کر کے

فرمایا بھول ناجانا عید کی تکبیریں جنازہ کی تکبیروں کی طرح چار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو ٹھانڈ کر کے چار انگلیوں کے ساتھ اشارہ بھی فرمایا۔

یہ حدیث لکھ کر علامہ شمس الدین سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”ففیہ قول وعمل اشارۃ واستدلال و تاکید“ یعنی اس حدیث میں آپ کا قول، عمل، اشارہ، تاکید اور استدلال ہے یعنی جیسے جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیریں ہیں اسی طرح عیدین میں تکبیرات صلاتیہ کے علاوہ ہر رکعت میں زائد تکبیریں تین ہیں۔

حدیث نمبر 2: عَنْ مَكْحُولٍ قَالَ اخْبَرَنِي أَبُو عَائِشَةَ جَلِيسَ لَابِي هَرِيرَةَ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ سَأَلَ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ وَحَذِيفَةَ بْنَ الْيَمَانِ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْبِرُ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ فَقَالَ أَبُو مُوسَى كَانَ يَكْبِرُ أَرْبَعًا تَكْبِيرَةً عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حَذِيفَةُ صَدَقَ فَقَالَ أَبُو مُوسَى كَذَلِكَ كُنْتُ أَكْبِرُ فِي الْبَصْرَةِ حَيْثُ كُنْتُ عَلَيْهِمْ قَالَ أَبُو عَائِشَةَ وَأَنَا حَاضِرُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ۔

(ابوداؤد ج 1 ص 163 مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 78)

حضرت ابو ہریرہ کے ہم نشین ابو عائشہ فرماتے ہیں کہ سعید بن العاص (گورنر کوفہ) نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں تکبیریں کیسے کہتے تھے؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین میں اس طرح تکبیریں کہتے تھے جیسے نماز جنازہ میں تکبیریں کہی جاتی ہیں (یعنی ہر رکعت میں چار چار) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے سچ کہا پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں بصرہ میں حاکم تھا تو اسی طرح تکبیریں کہتا تھا اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے ابو عائشہ فرماتے ہیں میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ بات نہیں بھولا کہ چار تکبیریں ہیں تکبیرات جنازہ کی طرح۔

حدیث نمبر 3: عن علقمة والاسود ابن یزید قال کان ابن مسعود جالساً وعندہ حذیفۃ وابو موسیٰ الاشعری فسألهما سعید بن العاص عن التکبیر فی الصلوۃ یوم الفطر والاضحیٰ فجعل هذا یقول سل هذا وهذا یقول سل هذا فقال له حذیفۃ سل هذا لعبد اللہ بن مسعود فسأله فقال ابن مسعود یکبر اربعاً ثم یقرء ثم یکبر فی رکع ثم یمشی فی الثانیۃ فیکبر اربعاً بعد القراءة۔ (مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 293)

علقمہ اور اسود رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے سعید بن العاص نے تکبیرات عید کے متعلق پوچھا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھئے، ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھئے (کیوں کہ وہ ہم میں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ صحبت یافتہ اور زیادہ علم والے ہیں) چنانچہ اس نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ سو آپ نے فرمایا کہ چار تکبیریں (تکبیر تحریمہ اور تین زائد تکبیریں) کہے پھر قراۃ کرے اور تکبیر کہہ کر رکوع کرے پھر دوسری رکعت میں کھڑا ہو کر قراۃ کرے۔ قراۃ کے بعد چار تکبیریں کہے (یعنی تین زائد تکبیریں اور ایک تکبیر رکوع)

حدیث نمبر 4: عن کردوس قال ارسل الولید الی عبد اللہ بن مسعود وحذیفۃ وابی مسعود وابی موسیٰ الاشعری بعد العتمۃ فقال ان هذا عید المسلمین فکیف الصلوۃ؟ فقالوا سل ابا عبد الرحمن فسأله فقال یقوم فیکبر اربعاً ثم یقرء بفاتحۃ الكتاب وسورۃ من المفصل ثم یکبر ویرکع فتلک خمس ثم یمشی فیکبر بفاتحۃ الكتاب وسورۃ من المفصل ثم یکبر اربعاً یرکع فی آخر هن فتلک تسع فی العیدین فما انکرہوا احد منهم۔

(معجم کبیر للطبرانی ج 9 ص 3)

کردوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ولید بن عقبہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس عشاء کے بعد ایک آدمی کو بھیج کر مسئلہ پوچھا کہ مسلمانوں کی نماز عید کا طریقہ کیا ہے؟ سب نے ابو عبد الرحمن یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ کیا چنانچہ سائل نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ امام بحالت قیام چار تکبیریں کہے پھر سورۃ فاتحہ اور مفصلات میں سے کوئی سورۃ پڑھے پھر دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہے اور ان میں سے آخری تکبیر میں رکوع کرے پس عیدین کی دونوں رکعتوں میں بحالت قیام یہ نور کعتیں ہیں اس پر موجود صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اعتراض کیا نہ انکار۔

حدیث نمبر 5: عن علقمة والاسود بن یزیدان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعاً تسعاً اربعاً قبل القراءة ثم کبر فرکع وفي الثانية یقرء فاذا فرغ کبر اربعاً ثم رکع۔

(مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 293)

علقمہ اور اسود رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عیدین میں نو تکبیریں کہتے تھے چار قراءۃ سے پہلے (تکبیر تحریمہ سمیت) پھر تکبیر کہتے اور رکوع کرتے اور دوسری رکعت میں قراءۃ کرتے پھر قراءۃ سے فارغ ہو کر چار تکبیریں کہتے (تکبیر رکوع سمیت) پھر رکوع کرتے۔

حدیث نمبر 6: عن کردوس قال کان عبد اللہ بن مسعود یکبر فی الضحی والفطر تسعاً تسعاً یبدء فی کبر اربعاً ثم یقرء ثم یکبر واحدة فی رکع بها ثم یقوم فی الركعة الاخرۃ فیبدا فیقرء ثم یکبر اربعاً یرکع باحدھن۔

(المجم الکبیر ج 9 ص 3)

کر دوس سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں نو نو تکبیریں کہتے تھے پھر ایک مرتبہ کہہ کر رکوع کرتے پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہو کر پہلے قراءہ کرتے پھر چار تکبیریں کہتے اور ان میں سے ایک کے ساتھ رکوع کرتے۔

حدیث نمبر 7: عن عبد الله بن الحارث قال شهدت ابن عباس كبر في صلاة العيد بالبصرة تسعة تكبيرات والى بين القرائتين قال وشهدت المغيرة بن شعبة فعل ذلك ايضا فسالت خالدا كيف فعل ابن عباس؛ ففسر لنا كما صنع ابن مسعود۔ (مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 1294 اسنادہ صحیح)

عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بصرہ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس (عید کے موقع پر) حاضر ہوا آپ نے نماز عید میں نو تکبیریں کہیں اور پہلی اور دوسری رکعت کی دونوں قراءتوں کے درمیان تکبیریں نہ کہیں اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اسماعیل بن الولید فرماتے ہیں کہ میں نے خالد سے پوچھا ابن عباس نے کیسے کیا؟ تو انہوں نے ویسے تفصیل بتائی جیسے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

حدیث نمبر 8: عن مسروق قال كان عبد الله يعلمنا التكبير في العيد تسعة تكبيرات خمس في الاولى واربعة في الاخرة واياها بين القرائتين (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص)

مسروق رحمہ اللہ تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں عیدین میں نو تکبیریں سکھاتے ان میں سے پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں دونوں قراءتوں کے درمیان ترتیب قائم رکھتے (یعنی ان کے درمیان تکبیریں نہ کہتے)

حدیث نمبر 9: عن الشعبي عن عبد الله انه كان يكبر في الفطر والاضحى تسعا

تسعا خمسا في الاولى واربعا في الاخرة وياها بين القرائتين

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 78)

حضرت شعبی رحمہ اللہ تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نو نو تکبیریں کہتے۔ پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں دونوں قراءتوں کے درمیان ترتیب قائم رکھتے۔

حدیث نمبر 10: عن قتادة عن جابر بن عبد الله وسعيد بن المسيب قال اتسع تكبيرات ويوالى بين القرائتين

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 79)

قتادہ رحمہ اللہ تابعی فرماتے ہیں کہ (بدری صحابی) جابر بن عبد اللہ اور (جلیل القدر تابعی) سعید بن مسیب رحمہ اللہ ہر سو حضرات نے فرمایا نماز عید میں نو تکبیریں ہیں اور دونوں قرائتیں لگاتار ہیں (یعنی ان کے درمیان تکبیریں نہیں ہیں)

حدیث نمبر 11: عن الشعبي قال ارسل زياد الى مسروق انا يشغلنا اشغال فكيف التكبير في العيدين قال اتسع تكبيرات قال خمساً في الاولى واربعا في الاخرة ووالى بين القرائتين

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 79)

حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیاد نے حضرت مسروق رحمہ اللہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم تو اپنے کاموں کی وجہ سے مسائل کی تحقیق و تعلیم سے غافل ہیں آپ فرمائیے عیدین میں تکبیروں کا مسئلہ کیسے ہے؟ حضرت مسروق رحمہ اللہ نے جواب دیا۔ کل نو تکبیریں ہیں پانچ پہلی رکعت میں (یعنی تکبیر تحریمہ، تین زائد تکبیریں اور تکبیر رکوع) اور دونوں قرائتیں لگاتار کرے۔

حدیث نمبر 12: عن ابراهيم عن الاسود ومسروق اتهمسا كانا يكبران في العيد تسع تكبيرات

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 80)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسود بن یزید رحمہ اللہ اور مسروق رحمہ اللہ عید میں نو تکبیریں کہا کرتے تھے۔

حدیث نمبر 13: عن محمد بن سیرین عن انس انہ کان یکبر فی العید تسعا فذکر مثل حدیث عبد اللہ

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 80)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص) حضرت انس عیدین میں نو تکبیریں کہتے تھے ان نو تکبیروں کی تفصیل محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے ویسے ذکر کی جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

حدیث نمبر 14: عن ابراہیم ان اصحاب عبد اللہ کانو یکبرون فی العید تسع تکبیرات

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 80)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد عید میں نو تکبیریں کہتے تھے۔

حدیث نمبر 15: عن ابن قلابہ قال التکبیر فی العیدین تسع تسع

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 80)

ابن قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عیدین میں نو نو تکبیریں ہیں۔

حدیث نمبر 16: عن جابر عن ابن جعفر انہ کان یفتی بقول عبد اللہ فی التکبیر فی العیدین

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 80)

جابر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن جعفر تکبیرات عیدین کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

حدیث نمبر 17: محمد قال اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عنہ کان قاعدا فی مسجد الکوفہ ومعہ حذیفہ بن الیمان

رضی اللہ عنہ و ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فخرج علیہم الولید بن عقبہ بن ابی معیط و هو امیر الکوفة یومئذ فقال ان غدا عیدکم فکیف اصنع؟ فقال لا اخبرہ یا ابا عبد الرحمن کیف یصنع؟ فامرہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان یصلی بغیر اذان و الا اقامۃ و وان یکبر فی الاولی خمساً و فی الثانیۃ اربعاً و ان یوالی بین القرائتین و ان ینصب بعد الصلوۃ علی راحلۃ قال محمد و بہ ناخذ۔ و هو قول ابی حنیفۃ

(کتاب الاثار للحمّد ص 53)

امام ابو محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خبر دی کہ وہ حماد رحمہ اللہ سے، وہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھے تھے۔ آپ کے پاس حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ موجود تھے کہ ولید بن عقبہ جو اس وقت کوفہ کا امیر تھا ان کے پاس آیا اور کہا کل تمہاری عید ہے بتاؤ میں کیسے کروں؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابو عبد الرحمن! اسے بتائیے کہ وہ کیا کرے؟ سو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ وہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے نماز پڑھائے اور یہ کہ پہلی رکعت میں (تکبیر رکوع سمیت) چار تکبیریں کہے اور دونوں قراءتوں کے درمیان ترتیب قائم رکھے (امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں)۔ و هو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ۔

مذہب جمہور صحابہ 18: هذا الفعل وهو الموالاتة بين القرائتين والتكبير ثلاثاً في كل ركعة اولى۔۔۔ و هو قول ابن مسعود و ابی موسیٰ الاشعری و حذیفۃ ابن الیمان و عقبۃ بن عامر و ابن الزبیر و ابی مسعود البدری و ابی سعید الخدری و البراء بن عازب و عمر بن الخطاب و ابی ہریرۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین و الحسن البصری و ابن سیرین و سفیان الثوری و هو روایۃ عن احمد و حکا البخاری فی صحیحہ مذہب الا ابن عباس و ذکر ابن الہمام فی التحریر انہ قول ابن عمر ایضاً۔

اتحاد الساده شرح احياء العلوم ج ۳ ص ۳۹ میں ہے۔ نماز عیدین میں چھ زائد تکبیریں اور دونوں قراءتوں کے درمیان تکبیریں نہ کہنا اور دونوں رکعتوں کی قراءۃ میں موالاة مندرجہ ذیل صحابہ وتابعین کا مذہب ہے۔ عبد اللہ بن مسعود، ابو موسیٰ اشعری، حذیفہ بن یمان، عقبہ بن عامر، عبد اللہ بن زبیر، ابو مسعود بدری، ابو سعید خدری، براء بن عازب، عمر بن خطاب، ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حسن بصری، ابن سیرین، سفیان ثوری، امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول یہی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور ابن ہمام نے ذکر کیا کہ ابن عمر کا یہی قول ہے۔

۱۹: امام ترمذی رحمہ اللہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: قد روی عن غیر واحد من اصحاب النبی نحو هذا وهو قول اهل الكوفة وبه يقول سفیان الثوری (جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۲۰)

یہ طریقہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک کا نہیں بلکہ متعدد حضرات سے مروی ہے اور تمام اہل کوفہ کا مذہب یہی ہے۔

اجماع صحابہ رضی اللہ عنہ:

۲۰: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو جنازہ کی تکبیریں مختلف طور پر کہی جاتی تھیں یعنی ۷، ۶، ۵، ۴، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہ صورت قائم تھی جب آپ نے اس اختلاف کو دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو: فاجمعوا امرہم علی ان يجعلوا التكبير على الجنائز مثل التكبير في الاضحية والفطرات فاجمع امرہم علی ذلك طحاوی کتاب الجنائز

(باب التكبير علی الجنائز ج ۱ ص ۳۱۹)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ جنازہ کی چار تکبیریں ہیں جیسا کہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی چار تکبیریں ہیں (عید کی ہر رکعت میں چار تکبیریں، تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت کی رکوع والی تکبیر شامل کر کے)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ عیدیں کی چھ تکبیروں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔

مقام فقہ

علامہ خالد محمود مدظلہ العالی

پی۔ ایچ۔ ڈی لندن

4: یکسوئی سے عبادت میں لگے رہنا افضل ہے یا دین میں فقہ کی راہیں معلوم کرنا؟ اسے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (96ھ) سے سنیے:

قال النخعی رحمہ اللہ وغیرہ تفقہ ثم اعتزل ومن اعتزل قبل التعلّم فهو فی الاکثر مضیّع اوقاته بنوم او فکر فی ہوس۔

(احیاء علوم الدین ج 2 ص 232)

ترجمہ: پہلے علم فقہ حاصل کرو، پھر بے شک عبادت میں یکسو ہو کر بیٹھو۔ جس نے علم حاصل کیے بغیر یکسوئی اختیار کی وہ زیادہ تر اپنے اوقات سونے میں کھوئے گا یا خواہشات کی فکر میں لگا رہے گا۔

5: حضرت ضحاک تابعی کبیر رحمہ اللہ (106ھ) جلیل القدر مفسر قرآن ہیں آپ آیت: ﴿وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّائِيَينَ مَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ﴾ (پارہ 3 سورۃ آل عمران: 79) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: حَقَّقْ عَلَى كُلِّ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ أَنْ يَكُونَ فَاقِيَهَا۔

(سنن دارمی ج 1 ص 107)

ترجمہ: ہر وہ شخص جو قرآن پڑھ لے اس پر لازم ہے کہ (کسی نہ کسی درجہ میں) فقہ کا بھی علم رکھتا ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے دور میں علم، فقہ کو ہی سمجھا جاتا تھا۔ قرآن سمجھنے کے لیے بھی تفقہ کی ضرورت ہے اور حدیث سمجھنے کے لیے بھی فقہ درکار ہوتی ہے۔ کتاب و سنت پر

فقہی نظر رکھنے والا عالم ہی حوادثِ احکام میں حکم شرعی کا پتہ دے سکتا ہے اور یہی وہ حضرات ہیں جو مسائل غیر منصوصہ کی نظیریں مسائل منصوصہ میں تلاش کر سکتے ہیں۔

6: حضرت حسن بصری (110ھ) کس درجے کے تابعی ہیں اور کس درجے کے امام ہیں؟ یہ کسی سے مخفی نہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: عمران المنقری نے کسی بات پر کہا: لیس ہکذا یقول الفقہاء (فقہاء تو یوں نہیں کہتے) اس پر حضرت نے اسے کہا: و یحک وراثت انت فقیہاً۔ (شرح السنۃ)

ترجمہ: تجھے کیا ہو گیا، کیا تو نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟
یعنی تمہیں کیا پتہ فقیہ کیا ہوتا ہے، اس کی تو بڑی اونچی منزلت ہے۔

7: حضرت عطاء بن ابی رباح (115ھ) کی فقہی نظر دیکھیے! عورتوں اور مردوں کی فطری ساخت کے پیش نظر دونوں کی نماز میں کچھ فرق ہونا چاہیے۔ عورتیں کانوں تک ہاتھ نہ اٹھائیں، اس سے ان کی چھاتیاں زیادہ نمایاں ہوں گی۔ ہاتھ بھی اس طرح باندھے کہ چھاتیوں کا پردہ رہے۔ آپ کی فقہی نظر ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں: ان للمراۃ ہیئۃ لیست للرجل، [کہ عورت کی جسمانی ساخت مرد سے مختلف ہوتی ہے]

(المصنف ج 1 ص 239)

[آپ کے فقہی مقام کیا تھا: اس کے بارے میں مروی ہے]: کان من اجل الفقہاء [آپ جلیل القدر فقہاء میں سے تھے]

(اکمال ص 615)

8: ابن شہاب زہری (124ھ) دین میں فقہ حاصل کرنے کو بڑی اونچی عبادت کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ما عبد الله بمثل الفقه

(سنن دارمی ج 1 ص 279)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی عبادت جس طرح فقہ دین سے ہو سکتی ہے اور کسی انداز سے نہیں۔

9: یحییٰ بن سعید الانصاری (143ھ) کس طرح اپنے دور کے فقہاء کا ذکر کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: ما ادرکت فقہاء ارضنا الا یسلون فی کل اثنتین من النہار
(صحیح بخاری ج 1 ص 155)

ترجمہ: میں نے اپنے علاقے کے فقہاء کو اس طرح پایا ہے کہ وہ دن کی نمازوں میں ہر دو رکعت کے مابین تشهد کرتے تھے۔

10: اعمش (147ھ) تابعی ہیں اور عظیم محدث ہیں۔ آپ نے فقہ وحدیث کا تقابل کرتے ہوئے فقہاء کو کہا:

یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة

(سنن دارمی ج 1 ص 107)

ترجمہ: اے گروہ فقہاء! تم اطباء ہو اور ہم عطار ہیں۔

علم وہی ہے جس کے پیچھے کوئی گہرائی ہو۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ ہنر اور تجربہ ہے۔ قرآن وحدیث علم کا چشمہ ہیں، توفیق اس کی گہرائی ہے۔ کسی چشمہ کو اس کی گہرائی جانے بغیر جانا نہیں جاسکتا۔ قرآن وسنت میں فقہ سے کام لیں تو علماء ان کی مرادات کو پالیتے ہیں۔ جس علم میں فقہ نہیں وہ علم ہی کیا، علم کی سمجھ کا نام ہی توفیق ہے۔

درس مثنوی

خزائن السنن کے عنوان سے عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے ملفوظات کو پیش کیا جاتا ہے۔ بعض علماء نے حضرت والا سے مثنوی کے درس کی درخواست کی تھی۔ ان کی خواہش پر حضرت والا نے مثنوی کے چند اشعار کا درس دیا۔ افادہ عام کے لیے ہدیہ قارئین ہے۔
مرتب: مفتی شبیر احمد خفی

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا:

ہر ولی رانوح کشتی باں شناس
صحت ایں خلق را طوفاں شناس

ارشاد فرمایا کہ: دنیا کی گمراہی مثلاً ٹی وی، وی سی آر، سینما اور فحاشی و عریانی کی طوفانوں میں ہر ولی اللہ نوح علیہ السلام کی طرح اپنی کشتی چلا رہا ہے اور اپنی صحبت کی کشتی میں اپنے متعلقین کو لے کر چل رہا ہے اور اللہ سے غافل اور نافرمان مخلوق کی صحبت یہی طوفان ہے۔ لہذا جو اہل اللہ کی کشتی کو چھوڑ کر نافرمانوں کی صحبت اختیار کرے گا وہ اس طوفان میں غرق ہو جائے گا۔ تو مولانا رومی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

ضعف قطب در تن بود در روح نے
ضعف در کشتی بود در نوح نے

ارشاد فرمایا کہ: انبیاء اور اولیاء کا جسم ضعیف ہو سکتا ہے، ان کی روح میں ضعف نہیں ہوتا۔ کمزوری کشتی میں تھی حضرت نوح علیہ السلام میں نہیں تھی۔ ان ظالموں نے کشتی کو دیکھا لیکن کشتی چلانے والے کو نہ دیکھا کہ وہ نبوت سے مشرف ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نور نبوت ان کو نظر نہ آیا اسی لیے ان ظالموں نے کہا کہ ہم ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بھلا یہ کشتی



طوفان سے بچا سکتی ہے، اس لیے سب غرق ہو گئے کیونکہ انہوں نے کشتی کے ضعف پر نظر کی اور کشتی چلانے والے پر نظر نہ کی وہ نبی ہے۔ لہذا مولانا نصیحت فرماتے ہیں:

ہیں برادر کشتی بابائیں

اے بھائیو! کسی بابا کی کشتی میں بیٹھ جاؤ۔ بابا سے مراد متبع سنت و متبع شریعت بزرگ ہے نہ کہ بھنگ پی کے سمندر کے کنارے سٹے کا نمبر بتانے والے شیطان کے متبعین۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی کشتی میں بیٹھنے میں دیر نہ کرو کیونکہ جتنے اولیاء اللہ ہیں یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کے نائب ہیں ان کی کشتی تمہیں گمراہی کے طوفان میں غرق ہونے سے بچا سکتی ہے:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا

گو نشیند با حضور اولیاء

فرماتے ہیں کہ جس شخص کا دل چاہے کہ وہ اللہ کے پاس بیٹھے تو اس سے کہو کہ اولیاء اللہ کے پاس بیٹھ جائے۔ جس طرح اگر کوئی عطر کی شیشی کے پاس بیٹھا ہے تو گویا وہ عطر ہی کے پاس بیٹھا ہے۔ اولیاء اللہ کے قلوب حق تعالیٰ کی تجلیات خاصہ سے متجلی ہیں۔ لہذا جو ان کا جلیس ہے گویا وہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا ہے:

چوں شوی دور از حضور اولیاء

در حقیقت گشتی دور از خدا

جو اہل اللہ کی صحبت سے اپنے کو مستغنی قرار دے دے چاہے، مشغولیت کی وجہ سے یا ان کو حقیر سمجھ کر تو وہ اللہ والوں سے دور نہیں ہوا، درحقیقت خدا سے دور ہو گیا۔ جو عطر کی شیشی سے دور ہو اور حقیقت عطر سے دور ہو گیا۔ کیونکہ عطر اس کو شیشی کے واسطے ہی سے مل سکتا ہے۔ لہذا عطر کی شیشی سے استغناء عطر سے استغناء ہے:

طبع ناف آہو یست ایں قوم را

ازبروں خوں و اندروں شاں مشک ہا

مولانا رومی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی شان ایسی ہے جیسے ہرن کی ناف کہ اس کے اوپر خون ہے اور اندر مشک بھرا ہوا ہے۔ ناف کا ظاہر گوشت اور خون ہے کہ اگر کاٹو تو خون بہے گا لیکن اس کے باطن میں مشک بھرا ہوا ہے جس کی قیمت لاکھوں کی ہوتی ہے۔ ایسے ہی اہل اللہ کے ظاہر کو مت دیکھو کہ ان کے بھی ہماری طرح دوکان اور ایک ناف ہے، یہ بھی ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں، ان کو بھی پیدشباب پاخانہ کی حاجت ہوتی ہے۔ اگر ان کے ظاہر کو دیکھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے لہذا ان کے باطن پر نظر رکھو جس میں نسبت مع اللہ کا موتی چھپا ہوا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ پہلے زمانے میں دریا کا ایک جانور دریائے گاؤں ہوتا تھا۔ اس کے اندر ایک قیمتی موتی ہوتا تھا جس کو وہ نکال کر رکھ دیتا تھا جس سے رات کے وقت سارا جنگل روشن ہو جاتا اور وہ جلدی سے اچھی اچھی گھاس چر لیتا۔ تاجر لوگ اس دریائی گاؤں کے موتی لینے کے لیے درخت پر چڑھ جاتے تھے اور ایک مٹکے میں مٹی اور بھوسہ ملا کر اس موتی کے اوپر گرا دیتے جس سے اندھیرا ہو جاتا اور دریائی گاؤں اسے تلاش کرنے کے لیے بار بار اس جگہ آتا جہاں موتی چھپا ہوا تھا لیکن مٹی اور کیچڑ دیکھ کر واپس چلا جاتا اور صبح تک مایوس ہو کر دریا میں واپس چلا جاتا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ جانور مٹی اور کیچڑ میں چھپے ہوئے موتی کو نہ پہچان سکا ایسے ہی ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے پتلے میں چھپے ہوئے نبوت کے موتی کو نہ دیکھ سکا ورنہ انکار نہ کرتا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر نہ سمجھتا۔ اسی طرح بعض لوگ اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان کو اپنا ہی جیسا گمان کرتے ہیں:

گفت اینک ہم بشر ایشان بشر

ماو ایشان بستہ خواہیم و خور

جیسے ہم بشر ہیں ایسے ہی یہ بھی بشر ہیں، جیسے ہم کھاتے ہیں ایسے ہی یہ بھی کھاتے ہیں، کھانے پینے اور سونے کے محتاج ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے قلب کے اندر ایک موتی چھپا ہوا ہے اور اس کا نام ہے تعلق مع اللہ کا موتی، نسبت مع اللہ کا موتی، اللہ کی محبت کا موتی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے جسم کو نہ دیکھو ولایت کے اس موتی کی قیمت کو پہچانو ورنہ تم بھی ابلیس کی طرح گمراہ ہو جاؤ گے اور اللہ کی محبت سے محروم مرو گے۔

(معارف ربانی ص 151 تا 154)

گناہ سے بچنا خوشی کی ضمانت ہے

تقویٰ میں سکون سے۔ اللہ کو خوش کرنا کیا معمولی نعمت ہے؟ جو اس زمین پر اپنے اللہ کو خوش کر لے اس کی خوشی کو ساری کائنات ختم نہیں کر سکتی۔ جو اللہ کو خوش کر لے اس بندہ کی خوشی کا اللہ خود کفیل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ میرا بندہ مجھ کو خوش کرنے کے لیے گناہ سے بچ رہا ہے، اپنی خوشیوں کو برباد کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو آباد فرماتے ہیں۔ مولانا شاہ محمد اختر صاحب کا شعر ہے۔

برباد محبت کو نہ برباد کریں گے میرے دل نا شاد کو وہ شاد کریں گے

جس نے اپنی خوشیوں کو اللہ کو راضی کرنے کے لیے برباد کر دیا وہ خود برباد ہو گیا تو اس کو اللہ کیا مزید برباد کریں گے؟ جنہوں نے اپنے دل کو نا شاد یعنی حرام خوشیوں سے بچایا ان کو خوش رکھنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہ ارحم الراحمین ہیں اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان پر فیصلہ کر لے کہ مجھے اس بندہ کو خوش رکھنا ہے سارے عالم کے مصائب اس کی خوشی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور جو اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے حرام خوشیوں کا انتظام کرتا ہے، بندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنا دل خوش کرتا ہے ایسا شخص ہر وقت معذب رہتا ہے۔ انتخاب: ام عائشہ صدیقہ، سیالکوٹ

جلیل القدر صحابی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

مولانا محمد اکمل راجنپوری حفظہ اللہ

عبد اللہ بن عمر بن خطاب ابو عبد الرحمن رضی اللہ عنہما کی ذات گرامی اوصاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی زندہ تصویر اور ایسا جامع مرقع تھی جو سینکڑوں درس اور ہزاروں تلقینات سے زیادہ کارآمد تھی۔ (ولی کی نظریا ولی پہ نظر پڑنے سے زندگی بدل جاتی ہے) جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ عہد نبوی کی حالت اور کیفیت کا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی پابند نہیں رہا۔ حضرت نافع رحمہ اللہ جو آپ رضی اللہ عنہما کے شاگرد اور خادم خاص تھے جنہوں نے 30 برس آپ کی خدمت کی وہ اپنے شاگردوں سے کہتے کہ اگر اس زمانے میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہوتے تو ان کو آثار نبوی کی شدت سے اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم یہی کہتے کہ یہ دیوانہ ہے۔

(متدرک حاکم ج 3 ص 561، ابن سعد تذکرہ ابن عمر)

آپ کی ذات دوسروں کے لیے نمونہ تھی لوگ دعا کرتے تھے کہ خدا یا ہماری زندگی میں عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو زندہ رکھ کہ ان کی اقتداء سے فیض یاب ہوتے رہیں ان سے زیادہ عہد رسالت کا کوئی واقف کار نہیں

(ابن سعد جزء 4 قسم اول ص 106)

صحبت نبوی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان کا سرمایہ حیات اور جان حزن کی تسکین کا باعث تھی۔ آپ کی وفات کے بعد ایسے دل شکستہ ہوئے کہ اس کے بعد نہ کوئی مکان بنایا اور نہ باغ لگایا (ازالہ الخفاء ص 189) سفر سے جب واپس آتے تو روضہ نبوی پر حاضر ہو کر سلام کہتے

(ابن سعد تذکرۃ ابن عمر) شیخ الاسلام ابن عمر کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، آپ کی بارگاہ کی دائمی حاضر باشی، سفر حضر کی ہم راہی سیدنا عمر فاروق کی تعلیم و تربیت اور خُسدان کی تلاش و جستجو نے مذہبی علوم کا دریا بنادیا تھا قرآن تفسیر حدیث فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کا بحر بیکراں تھے آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اس زمرہ میں تھا جو علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج 1 ص 35 طبع حیدرآباد)

شیخ الاسلام اور تلاوت و فہم قرآن:

1: آپ کو تلاوت قرآن سے بڑا شغف تھا ایک رات میں پورا قرآن ختم کر لیتے تھے۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم ج 1 ص 25)

2: آپ کو تلاوت قرآن کے غیر معمولی شغف کے ساتھ ساتھ اس کی سور و آیات پر فکر و تدبر میں عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف سورہ بقرہ کے سیکھنے پر 8 برس صرف کر دیئے۔

(تفسیر قرطبی ص 80)

اس غیر معمولی شغف نے آپ میں قرآن کی تفسیر و تاویل کا ملکہ پیدا کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہما قرآن کا ملکہ جوانی میں ہی پیدا ہو گیا تھا ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کا مجمع تھا جس میں ابن عمر بھی موجود تھے تو آپ نے شجرہ طیبہ کے متعلق صحابہ سے سوال کیا کہ اس سے کیا مراد ہے تو اس کے جواب میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خود فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا جواب آتا تھا لیکن میں اکابر صحابہ کی موجودگی اور خاموشی کی وجہ سے چپ رہا جواب نہیں دیا۔

(بخاری فتح الباری کتاب التفسیر سورہ ابراہیم و کتاب العلم باب الفہم)

طلب حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حدیث نبوی کا اتنا شوق اور اس کی اس قدر تلاش تھی کہ اپنی غیر حاضری کے اقوال اور افعال نبوی ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اور ان کو یاد رکھتے تھے

(اصابہ ج 2 ص 1097)

اگر کوئی ایسی حدیث یا مسئلہ سنتے جو ان کے علم میں نہ ہو تا تو فوراً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا راوی حدیث کے پاس جا کر اس کی تصدیق کرتے۔ ایک مرتبہ کسی نے ایک مسئلہ بیان کیا جو ان کے علم میں نہ تھا فوراً خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق کی۔

s (صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافر و قصرها)

اسی طرح ایک مرتبہ لیثی نے ابوسعید خدری کے حوالے سے بیان کیا کہ آپ نے سونا چاندی کی بیع صرف اس میں جائز رکھی ہے کہ برابر ہو۔ ان کو اس کا علم نہ تھا اس لیے ابوسعید خدری کے پاس جا کر اس کی تصدیق کی۔

(صحیح مسلم باب الرباء)

اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہما کا شمار اساطین حفاظ حدیث میں ہے اگر ان کی مرویات کی تعداد حدیث کی کتابوں سے علیحدہ کر لی جائے تو ان کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں۔

اشاعت و تعلیم حدیث:

اس تلاش نے آپ رضی اللہ عنہما کو حدیث کا دریا بنادیا تھا جس میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسلمانوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی آپ کے ذریعے سے حدیث کا وافر حصہ اشاعت پزیر ہوا۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد 60 سال سے زیادہ حیات رہے اس عرصہ میں آپ کا مشغلہ صرف علم کی اشاعت تھا (الاستیعاب

ص 381) مدینہ منورہ میں آپ کا مستقل حلقہ درس تھا اس کے علاوہ اشاعت کے لیے سب سے بہترین موقع حج کا تھا جس میں تمام اسلامی ممالک کے مسلمان جمع ہوتے تھے چنانچہ آپ اس موقع پر فتویٰ دیتے تھے اس سے بہت جلد مشرق سے مغرب تک احادیث اور علم دین و شریعت پھیل جاتی۔

(اسد الغابہ ج 3 ص 133)

احتیاط فی الحدیث:

آپ رضی اللہ عنہما اس وسعت علم اور دقت نظر کے باوجود حدیث بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے۔ محمد بن علی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی جماعت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں کوئی محتاط نہ تھا وہ حدیث میں کمی و بیشی سے بہت ڈرتے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 34)

ابو جعفر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں کمی و زیادتی سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے۔

(مستدرک حاکم ج 3 ص 560)

حضرت سعید اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حدیث نبوی میں ابن عمر سے زیادہ محتاط میری نظر سے کوئی نہیں گزرا۔

(اصابہ ص 1096)

اس احتیاط کی بناء پر اکابر علماء آپ کی مرویات کو اتنی قابل اعتماد سمجھتے تھے کہ پھر کسی مزید توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

امام شعبی فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بہت درست ہوتی تھی۔

(اسد الغابہ ج 3 ص 133)

امام ابن شہاب زہری ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔

فقہ:

فقہ تشریح اسلامی کا دار و مدار ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فقہ فی الدین میں درجہ کمال حاصل تھا۔ آپ کی ساری عمر علم افتاء میں کٹی، مدینہ کے مشہور صاحب فتاویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کے فتاویٰ کی تعداد زیادہ ہے۔ ان میں ایک ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے (اعلام الموقعین ج 1 ص 13) اور فقہ مالکی کا دار و مدار ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ پر ہے۔

تعداد مرویات:

آپ کی مرویات کی تعداد کے متعلق علامہ ذہبی اپنی مشہور کتاب سیر اعلام النبلاء کی ج 4 ص 124 پر لکھتے ہیں: ولا بن عمر (مسند بقی) الفان وست مائة وثلاثون حدیثا بالمرور واتفقوا علی مائة وثمانیة وستین حدیثا وانفرد له البخاری بأحد وثمانین حدیثا ومسلم بأحد و ثلاثین، آپ کی روایات کی کل تعداد 2630، ان میں سے 168 پر بخاری و مسلم متفق ہیں یعنی ان احادیث کو امام بخاری و امام مسلم دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور 81 صرف صحیح بخاری میں ہیں اور 31 صرف صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

چند مرویات کا تذکرہ:

1: ترک قراۃ خلف الامام اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے امام کے پیچھے قراۃ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا آپ نے فتویٰ دیا کہ جو آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا قراۃ کرنا مقتدی کے لیے کافی ہے۔ اور جب اکیلا پڑھے

تو قراءت کر لے اور خود اپنا عمل کان عبد اللہ بن عمر لا یقرء خلف الامام، امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔

(موطأ مالک ص 69)

2: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ترک رفع یدین کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب انہوں نے نماز شروع کی، تو آپ نے رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کیا، وان اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسه من الركوع فلا یرفع

(مسند الحمیدی ج 2 ص 277 رقم 614)

3: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرد اور عورت کی نماز کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں قال رسول اللہ اذا جلست المراة فی الصلوة وضعت فخذها علی فخذها الاخری واذا سجدت الصقت بطنها فی فخذها کاستر ما یكون لها فان الله ینظر الیها یقول یا ملائکتی اشهدکم انی قد غفرت لها، کہ آپ فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے اس طرح کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں اس بات پر کہ میں نے اس کو بخش دیا ہے۔

(الکامل لابن عدی ج 2 ص 501)

4: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میت کی تدفین کے بعد سر اور پاؤں کی جانب قرآن مجید پڑھنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں ویقرأ عند راسه بفاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة

(معجم الکبیر طبرانی ج 6 ص 255 رقم 13438)

5: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تین طلاق کے بعد رجوع نہ کرنے اور جدائی ہو جانے کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا سوال اور آپ کا جواب بیان کرتے ہیں وقلت یا رسول اللہ افرئت لو انی طلقها ثلاثا کان یحل لی ان اراجعها قال لا کانت تبیین منک وتکون معصیة

(سنن الکبریٰ بیہقی ج 7 ص 334)

گویا کہ آپ نے فرمایا کہ ایک طلاق کے بعد تو رجوع ہو سکتا ہے لیکن تین طلاق کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا بلکہ عورت جدا ہو جاتی ہے اگر کوئی آدمی تین طلاق دینے کے بعد بھی بیوی کو اپنے گھر میں رکھتا ہے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

آخر کار پیکر علم و عمل فاتبیعونی اور اطیعوا الرسول کی عملی تصویر شیخ الاسلام سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مکہ المکرمہ 74ھ، عمر عزیز کی 84 بہاریں گزار کر اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج 4 ص 121، اسد الغابہ ج 3 ص 135، الاصابہ ج 2 ص 1098)

شیخ الاسلام کی نماز جنازہ اور تدفین:

آپ رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ حجاج بن یوسف نے پڑھائی اور تدفین ذی طوی مقام یلع مقبرہ المہاجرین ہوئی

(اسد الغابہ ج 3 ص 135، سیر اعلام النبلاء ج 4 ص 121)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ رضی اللہ عنہما کے جذبہ اتباع میں سے کچھ عطا فرمادے۔ آمین

تذکرۃ الفقہاء (آخری قسط)

حبر الامة سيدنا حضرت عبد الله بن عباس رضي الله عنهما

مولانا محمد عاطف معاویہ حفظہ اللہ

4: اہل السنۃ والجماعۃ احناف کا موقف ہے کہ نمازی نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین نہ کرے، احناف کے اس موقف کی تائید قرآن کی آیت سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوٰتہم خاشعون

(المومنون: 2، 1)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خاشعون کی تفسیر میں فرماتے ہیں محبتون متواضعون لا یلتفتون یمینا ولا شمالا ولا یرفعون ایدیہم فی الصلوۃ (تفسیر ابن عباس ص 212)

ترجمہ: خاشعون سے مراد وہ لوگ ہیں جو عاجزی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں نہ دائیں بائیں متوجہ ہوتے ہیں اور نہ ہی نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں۔

قارئین کرام! یہ صرف چند مثالیں تھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آپ رضی اللہ عنہما کو بہت بڑا حصہ علم تفسیر کا عطاء فرمایا تھا۔

تنبیہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس تفسیری روایت پر بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ اس تفسیر کا مرکزی راوی محمد بن مروان سدیی صغیر ہے جو محدثین کے ہاں مجروح ہے۔ لہذا اس روایت سے دلیل پکڑنا درست نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتب

اسماء الرجال دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کبھی ایک شخص فن میں مجروح ہوتا ہے مگر دوسرے فن میں وہی شخص ثقہ، امام اور معتبر ہوتا ہے۔ مثلاً:

1: محمد بن اسحاق بن یسار: ان پر فن حدیث میں "کذاب" وغیرہ کی جرح ہے۔
[الضعفاء والمتروکین لابن جوزی ج: 3 ص: 41]

مگر مغازی اور سیر میں اسی محمد بن اسحاق کو "امام" اور "مرجع کہا گیا" ہے۔
[تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج: 1 ص: 130]

2: عاصم بن ابی النجود کوفی: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:
"لہ اوہام" یہ شخص وہم کا شکار ہوتا تھا، مگر فن قراءت میں اسی عاصم ابن ابی النجود کو "حجت" قرار دیا۔

[تقریب التہذیب ص: 321 رقم الترجمہ 3054]
3: حفص بن سلیمان اسدی: حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ متروک الحدیث ہے، لیکن فن قراءت کا امام ہے۔

[تقریب: 209 رقم الترجمہ 1405]
اس تصریح سے ثابت ہوا کہ کسی شخص پر ایک فن پر میں جرح ہونے سے وہ تمام فنون میں مجروح نہیں ہو جاتا بلکہ جس فن کا وہ ماہر ہو اس میں اس کا قول معتبر ہوتا ہے۔ یہی حال محمد بن مروان کا ہے کہ ان پر جرح فن حدیث میں ہے نہ کہ فن تفسیر میں، بلکہ فن تفسیر میں اسے "صاحب التفسیر المفسر" کہا گیا ہے۔

[مغانی الاخیار ص: 429، شذرات الذہب ج: 1 ص: 318]

اور ہم نے بھی تفسیری روایت پیش کی ہے جو اصول کے اعتبار سے قبول ہے۔
نوٹ: تفسیر ابن عباس کے متعلق اس اشکال کے مفصل جواب کے لئے "قافلہ حق ج: 6 شمارہ 3" میں برادر مکرّم مفتی شبیر احمد حنفی حفظہ اللہ کا تحقیقی مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

فقہی مسائل: اللہ تعالیٰ نے فقہ میں بھی آپ رضی اللہ عنہما کو وافر حصہ عطاء فرمایا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہما نے مکہ میں فقہ کی بنیاد رکھی اور اپنے فقہی ذہن سے اتنے مسائل و فتاویٰ بیان فرمائے جن کو 20 جلدوں میں لکھا گیا۔

(اعلام الموقعین ج 1 ص 12)

آپ رضی اللہ عنہما کے چند فقہی مسائل درجہ ذیل ہیں۔

1: آپ رضی اللہ عنہما ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی کہتے تھے۔

عن مجاہد قال كنت عند ابن عباس رضي الله عنهما ف جاء رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا فسكت حتى ظننا انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا بن عباس يا بن عباس وان الله عز وجل ثناءه قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا وانك لم تتق الله فلا اجلك مخرجا عصيت ربك وبانت منك امراتك، (السنن الكبرى بیہقی ج 7 ص 331)

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا آپ رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص نے آکر بتایا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں آپ رضی اللہ عنہما خاموش رہے ہم نے سمجھا کہ آپ رضی اللہ عنہما اس کی بیوی کو اس کے پاس رہنے کی اجازت دے دیں گے۔ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم خود حماقت کا ارتکاب کرتے ہو پھر مجھے آوازیں دیتے ہو اللہ کا فرمان ہے کہ جو اس سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی نجات کا راستہ بنا دیتے ہیں تو نے بیوی کو تین طلاقیں دے کر خوف خدا نہیں کیا لہذا تیرے لیے اب کوئی صورت نہیں تیری بیوی اب تجھ سے جدا ہو گئی اور تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

2: امام کے پیچھے قراءت نہ کرنا: عن ابی حمرة قال قلت لابن عباس اقراوالامام بین یدی فقال لا (سنن طحاوی ج 1 ص 160)

ترجمہ: حضرت ابو جمرہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا میں امام کے پیچھے قرآن پڑھ سکتا ہوں؟ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا نہیں۔

3: وتر کی تین رکعات: عن ابی منصور قال سألت عبد اللہ بن عباس عن الوتر فقال ثلاث (سنن طحاوی ج 1 ص 203)

ترجمہ: حضرت ابو منصور فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وتر کی رکعتوں کے متعلق سوال کیا آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا تین رکعتیں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہما خود بھی تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 199)

وفات حسرت آیات: 68ھ میں علم کا یہ مجسمہ وادی طائف میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ نے آپ رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا: مات واللہ الیوم حبر ہذہ الامۃ

(الاصابہ ج 2 ص 1079)

کہ آج اس امت کا ایک بہت بڑا عالم دنیا سے رخصت ہو گیا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جنازے میں شریک تھا جب آپ رضی اللہ عنہما کو دفن کیا گیا تو قبر سے قرآن پاک کی ان آیات کی تلاوت سنی گئی: يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّاتِي

(الاصابہ ج 2 ص 1080)

شیخ العرب والجم حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

مولانا محمد عبداللہ معتمد حفظہ اللہ

ہندوستان میں سیاسی سرگرمیاں:

1919ء میں تحریک خلافت کی بنیاد پڑ چکی تھی شیخ الہند اور مولانا مدنی ہندوستان تشریف لانے کے بعد اس تحریک اور اس کی افادیت سے متعارف ہوئے انتہائی جذبے سے اس میں شامل ہو گئے شیخ الہند کی عمر نے وفانہ کی وہ آغاز تحریک کے 6 ماہ بعد انتقال فرما گئے۔ حضرت شیخ الہند کی وفات مولانا مدنی کے لیے ایک عظیم سانحہ تھا اس سے آپ کے کندھوں پر حضرت شیخ الہند کی جانشینی اور مسلمانان ہند کی سربراہی کا بوجھ آ پڑا، 10 جولائی 1921ء کو آل انڈیا خلافت کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا گیا اس موقع پر مولانا مدنی نے ایک تجویز پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا "کہ حالات حاضرہ میں مسلمانوں کے لیے سرکاری فوج میں ملازم رہنا یا بھرتی ہونا حرام ہے" اس کے رد عمل کے طور پر 1921ء میں آپ کی گرفتاری عمل میں آئی مولانا دوران اسارت بھی اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہے۔ چنانچہ مقدمے کی سماعت کے دوران انگریز جج کے سامنے انتہائی جرات مندانہ انداز میں فرمایا: "اگر برطانوی حکومت مذہبی آزادی اور فرائض کا احترام نہیں کرتی تو اس صورت میں کروڑوں مسلمانوں کو اس مسئلہ کا تصفیہ کر لینا چاہیے کہ آیا وہ مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنے کو تیار ہیں یا حکومت برطانیہ کی رعایا کی حیثیت سے، اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی چھیننے پر آمادہ ہے تو مسلمان اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہونگے اور میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان قربان کروں گا" 1923ء میں دو سال

کی طویل اسارت کے بعد جب آپ رہا ہوئے تو برطانوی حکومت اور اس کی پالیسیوں کے متعلق آپ کا وہی موقف تھا جس کی بنا پر آپ کی گرفتاری عمل میں آئی تھی چنانچہ گرفتاری کے فوراً بعد آپ نے جو بیان فرمایا اس کے چند کلمات یہ ہیں۔ "مسلمانوں پر فرض ہے کہ نہایت شد و مد سے پورے عزم و استقلال کو کام میں لاتے ہوئے انگریز کی ناپاک پالیسی کا مقابلہ کریں" حضرت کی یہ مستقل مزاجی اور جاں سوزی تھی جس نے ہندوستان میں انقلاب برپا کر دیا اور مولے شاہین سے ٹکرانے کو بے تاب ہوئے۔

جن کے دل تھے پتھر کے تانے کے دماغ
ہم انھی لوگوں کو احساسِ زیاں تک لے گئے

معمولات و مشاغل:

آپ کے معمولات کا سلسلہ رات کے پچھلے پہر سے شروع ہوتا اور پھر اگلی رات 12 بجے تک ہوتا تھا 24 گھنٹوں میں آپ صرف 3 گھنٹے آرام فرماتے۔ سال کا تقریباً نصف حصہ بلکہ اس سے بھی زائد سفر میں گزرتا مصروفیات کم کرنے کی آپ نے کئی بار کوشش کی لیکن ایسا نہ ہو سکا کسی کی دعوت کو مسترد کر دینا آپ کے لیے محال تھا سفر کے دوران بھی آپ کی نمازیں بالعموم باجماعت ہوا کرتی تھیں نماز تہجد آپ پابندی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ قیام دیوبند کے دوران آپ روزانہ 8 گھنٹے درس دیتے اور شیخ الحدیث ہونے کی وجہ سے صحاح ستہ کی دو اہم کتابیں بخاری اور ترمذی کی تدریس ہمیشہ آپ کے پاس ہی رہی پھر درس بھی پوری پابندی اور انبساط کے ساتھ ہوتا تھا قیام کے دوران کبھی بھی سبق کا ناغہ نہ ہوا، حتیٰ کہ سفر میں بھی سبق کا خیال رہتا اور کوشش یہ ہوتی کہ جلد از جلد واپس پہنچ کر سبق پڑھایا جائے سینکڑوں میلوں سفر سے واپسی ہوتی سبق کا وقت ہوتا تو آتے ہی اعلان فرما دیا جاتا کہ سبق ہو گا اور کسی بھی تھکاوٹ و اضمحلال کا اظہار کیے بغیر معمول کے مطابق اپنے اسباق پڑھاتے۔

علمی آثار:

حضرت مدنی دنیا علم کے آفتاب تھے آپ ایک وقت میں ایک تبحر عالم، ممتاز سیاست دان، قومی رہنما، اور روحانی دنیا کے امام اور ایک صاحب طرز ادیب بھی تھے حجاز مقدس (مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں تدریس کے دوران حق تعالیٰ نے آپ کو وہ عزت بخشی تھی جو یمنی، شامی، عراقی علماء کے لیے بھی قابل رشک تھی۔ آپ کو مضبوط علمی استعداد اور دیگر علمی صلاحیات کے پیش نظر 24 سال کی عمر میں آپ کو شیخ العرب والعجم کے معزز القاب کے ساتھ سرفراز کیا گیا۔

تحریر و تصنیف میں ید طولیٰ رکھنے کے باوجود آپ کی بہت کم تصانیف منظر عام پر آئی ہیں وجہ اس کی یہ تھی کہ سیاسی و تدریسی مصروفیات نے آپ کو 'صنیفی میدان میں رہنے کا کم موقع دیا البتہ تدریس کے میدان میں جو کام آپ سے رب تعالیٰ نے لیا ہے اس کا اندازہ آپ کے شاگردوں سے لگایا جاسکتا ہے جو اپنے دور کے یگانہ روزگار ہستیاں تھیں۔ چند ایک تلامذہ کے نام پیش خدمت ہیں۔ امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، پیر طریقت حضرت مولانا سید امین شاہ رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان حفظہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الستار تونسوی حفظہ اللہ، حضرت مولانا عبد الحفیظ کردی مدینہ منورہ، حضرت مولانا احمد البساطی نائب قاضی مدینہ منورہ، حمود عبد الجواد، شیخ بشیر ابراہیمی جزائری، مولانا محمد یوسف خان کشمیری وغیرہ

حضرت مدنی کے متعلق معاصرین کی آراء:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ: میرے نزدیک ابو حنیفہ زمانہ، بخاری اوانہ، جنید و شبلی حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین

احمد مدنی ہیں۔ کچھ کہنے والا مداح خورشید مداح خداست کا مصداق ہے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت کے فضل و کمال، تجربہ فی العلوم والسلوک سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو۔

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی آسمانی علم و ہدایت کے آفتاب اور زہد و ورع میں یگانہ روزگار اور جہادِ تخلص و وطن کے ایک ممتاز شہسوار تھے۔

ہندوستان کے مسلمان ان کی ذات گرامی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے وہ علم ہدایت اور مستحق منصب قیادت ہے۔

مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ: حضرت مدنی کے کیا کہنے پہلے تو ہم یوں ہی سمجھتے رہے مگر وقت کی نزاکتوں اور ہنگامہ آرائیوں میں جب ہم نے اس مرد مجاہد کو دیکھا تو جہاں شیخ مدنی کے قدم تھے وہاں اپنا سر پڑا دیکھا۔

وفات و حسرت آیات:

آخری عمر میں حضرت مدنی کو سانس کی تنگی اور تنفس کی تکلیف ہو گئی تھی جس کی وجہ سے صحت بہت بگڑ گئی اور یہی بیماری مرض الموت کی صورت اختیار کر گئی چنانچہ 1957ء میں ظہر 3 بجے علم و عرفان کا یہ چراغ ایک عالم کو اپنی ضیاء پاشیوں سے منور کرنے کے بعد دارِ فناء سے دارِ بقاء کی طرف روانہ ہو گیا۔ نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے پڑھائی اور اپنے مربی و شیخ الہند کے مرقد مبارک کے ساتھ مدفون ہوئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج بخش مایہ گراں کیا کیے

فتاویٰ عالمگیری

مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ

جہانگیر احمد نگر کے سپہ سالار ملک عنبر کو شکست دے کر آگرہ کی طرف اطمینان سے واپس آ رہا تھا کہ "مالوہ" اور "گجرات" کی انتہائی سرحد پر واقع "دوحد" نامی علاقہ میں اتوار کی شب 15 ذیقعدہ 1027ھ بمطابق 24 اکتوبر 1618ء کو اس کے بیٹے کے گھر میں ایک بچے نے جنم لیا اس نومولود نے ایسے تاریک ماحول میں آنکھ کھولی جہاں شرعی احکام رسم و رواج کے بلے تلے دب چکے تھے اور اسلام کا فقط ناتواں وجود باقی رہ گیا تھا جس میں روح اور جان نہ تھی مگر کسے خبر تھی کہ یہ بچہ بڑا ہو کر برصغیر میں دین محمدی کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دے گا اور پھر سے شریعت اسلامیہ کے وجود میں نئی روح پھونکے گا۔ جی ہاں! ہماری مراد ہندوستان کے بڑے تاجدار عادل حکمران سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے جسے قدرت نے بے پناہ خصوصیات اور کمالات سے نوازا تھا۔ وہ عالم باعمل، پرہیزگار، تہجد گزار، متعدد علوم و فنون کا ماہر، مجاہد فی سبیل اللہ اور علم دوست آدمی تھا۔ علمائے دین کا قدر دان اور ان سے خاص ربط و تعلق رکھتا، حلقہ یاراں میں ریشم کی طرح نرم اور رزم حق و باطل میں فولاد کی طرح گرم ثابت ہوتا۔ سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے میں پیش پیش رہتا۔ قرآن کریم سے اتنا شغف اور قلبی تعلق تھا کہ تخت نشین ہونے کے بعد اس کے حفظ کی سعادت حاصل کی۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی معرفت کا شرف حاصل تھا اور فقہ میں کمال درجہ کی مہارت تھی کہ اس کی جزئیات پر مکمل عبور تھا۔ عالمگیر رحمۃ اللہ کی علم دوستی اور فقہ سے بے لوث محبت کا منہ بولتا ثبوت مفتی بہ اور مستند فتاویٰ جات کا ایک ایسا مجموعہ تیار کرانا

ہے جو ہندوستان میں فتاویٰ عالمگیری کے نام سے اور مصر اور شام اور ترکی میں "الفتاویٰ الہندیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی عظیم علمی کاوش پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے کہ رہتی دنیا تک اہل اسلام اس فقہی سرمایہ سے سیراب ہوتے رہیں۔

ایک فائدہ: فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب کسی وقتی مصلحت یا محض ایک شخص کی ذاتی خواہش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ فتاویٰ کی ترتیب و تدوین کا اصل محرک مسلمانوں کا یہ شدید احساس تھا کہ ان کے اجتماعی معاملات کا فیصلہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہو اور اسلامی قانون ملک میں جاری و ساری ہو۔ ایسی کتاب کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی جو انفرادی فتاویٰ کے اختلافات کو دور کر دے اور قانون کی بنیادی کتاب کی حیثیت سے پوری مملکت میں استعمال کی جاسکے۔ لیکن محض سیاسی وجوہات کی بناء پر اس قسم کی کتاب کی ترتیب کے مواقع نہیں مل سکے تھے اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور اور اس سے پہلے کے دور کے سیاسی پس منظر کو بھی مختصر طور پر سمجھ لیں۔

سیاسی پس منظر: اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت کی ابتداء صحیح معنوں میں مغلوں کے خاندان حکومت سے ہوئی ہے جن کا مقصد ہندوستان میں مستحکم اور پائیدار حکومت کرنا تھا۔ اس دور میں مسلمانوں میں سیاسی اور فکری اتحاد تھا اور اس حکومت کے قیام و استحکام کے لیے یہ ضروری تھا کہ باہمی اختلاف پیدا نہ ہوں۔ اس کے برخلاف ہندوستان کے آبائی باشندے اور ہندو مسلمانوں کی اس کامیابی پر بہت ہی ہراساں اور خوفزدہ تھے یہی وجہ ہے کہ ہندو برادری نے مسلمان حکومت یا امراء سے تعاون اور میل ملاپ کرنے کے بجائے مستقل جنگ جاری رکھی اور مختلف حربوں سے مسلمان حکومت کو ختم کرنے اور اسلامی قوت کو کمزور کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے بالآخر مسلسل ناکامیوں سے تنگ آکر دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے راجپوتوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے اسلامی قوت و حکومت کو تسلیم کیا اور مسلمان حکمرانوں سے تعاون اور دوستی کی راہ ورسم اختیار کی۔

درس سورة الناس

ضبط وترتیب: مفتی شبیر احمد حفظہ اللہ

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا میں منعقد یک سالہ ”تخصّص فی التحقیق والدعوة“ میں دیگر مسائل کی تحقیق کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی تفسیر کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ فاضل طلبہ کو الحمد سے والناس تک پورے قرآن کی تعلیم دینے کا مقصد عملی میدان میں درس و تفسیر کے لیے تازہ دم کرنا اور فرق باطلہ کے ان نظریات کا رد کرنا ہے جو وہ ”تفسیر القرآن“ کے نام پر پیش کرتے ہیں۔ اس سال ختم تفسیر القرآن کے مبارک موقع پر حضرت الاستاذ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ نے آخری سورت ”سورت الناس“ کا درس ارشاد فرمایا۔ افادۂ عام کے لیے ہدیہ قارئین ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴿قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ
النَّاسِ (1) مَلِکِ النَّاسِ (2) اِلٰہِ النَّاسِ (3) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (4) الَّذِیْ
یُؤْوسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (5) مِنَ الْخِیْتَةِ وَالنَّاسِ (6)﴾

ہمارے تخصّص فی التحقیق والدعوة کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہم متخصصین کو قرآن کریم کا ترجمہ، تفسیر اور بعض چیزوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ تفسیر میں ہم ترجیح اس کو دیتے ہیں اپنے عقائد اور مسائل پر دلائل پیش کریں اور جن آیات سے اہل باطل نے استدلال کیا ہے، ان کے استدلال کے جوابات دیں۔

تفسیر پڑھانے کا مقصد:

ایک صاحب مجھے فرمانے لگے کہ جو علماء آپ کے پاس تخصص کے لیے آتے ہیں وہ تو تفسیر پڑھ کر آتے ہیں۔ پھر تفسیر پڑھانے کا مقصد؟ میں نے کہا کہ یہ پہلے ایک پارہ پڑھتے ہیں [درجہ ثانیہ میں] پھر دس پارے پڑھتے ہیں [درجہ ثالثہ میں] پھر دس پارے [رابعہ میں] پھر دس پارے [خامسہ میں] جب قرآن مکمل ہوتا ہے تو پھر مدارس میں پڑھاتے ہیں جلالین [سادسہ میں] اس کے بعد تفسیر کا باب بند ہو جاتا ہے اور جب فراغت کے بعد میدان میں آتے ہیں تو ان کے پاس علوم تو محفوظ ہوتے ہیں پڑھانے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ تو ہم کوشش کرتے ہیں کہ ایسے انداز میں تفسیر پڑھائیں کہ جب یہ فارغ ہونے کے بعد اپنے علاقہ کی مسجد میں جائیں تو ان کو قرآن کریم کا درس دینے کا طریقہ اچھی طرح آجائے۔ اس لئے ہم کوشش کرتے ہیں کہ الحمد سے والناس تک ان کو تفسیر پڑھائیں تاکہ ان کو درس قرآن دینے کا طریقہ آجائے۔

عوام میں درس قرآن دینے کا طریقہ:

عوام میں درس قرآن دینے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس بات کا اہتمام کریں کہ جس مسجد میں درس قرآن دیں، قرآن کریم کا جو مطبع اور چھاپہ آپ کے پاس ہو اسی چھاپہ کا قرآن کریم آپ کے سامعین کے پاس ہو۔ سولہ لائن کا، سترہ لائن کا، اٹھارہ کا، جس کمپنی کا ہو اور جب آپ قرآن کریم کھول کر بیٹھیں تو ان کو یہ نہ بتائیں پارہ نمبر فلاں آیت نمبر فلاں، انہیں کہیں: جی! آپ صفحہ نمبر فلاں نکالیں فلاں صفحہ کی تیسری سطر نکالیں۔ وجہ یہ ہے کہ درس قرآن میں بعض سامعین معمول کے ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ اچانک کوئی مہمان آتے ہیں اور درس قرآن میں بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر آپ بتائیں گے نہیں اور قرآن کریم کھول کر درس شروع کر دیں گے تو نیا آنے والا بندہ الجھن کا شکار ہو جائے گا کہ بتائیں کہاں سے کھولا ہے؟ اور یہ طرز میں نے کہاں سے لیا ہے؟ امام اہل السنۃ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صا

جب صفدر نور اللہ مرقدہ سے اور یہ میں نے اس وقت سیکھا ہے جب میں درجہ حفظ میں تھا۔ اس عمر میں بندے کو سمجھ بوجھ بھی نہیں ہوتی کہ درس قرآن کیسے ہوتا ہے؟

حضرت الشیخ مدظلہ کا ایک واقعہ:

ابھی ہمارا سندھ کا دورہ تھا۔ ایک مدرسے میں گئے تو ہمہ صاحب فرمانے لگے: حفظ کے بچوں کو آپ کے درس میں بٹھادیں؟ میں نے کہا: ضرور بٹھائیں۔ مجھے فرمانے لگے: ان کو بیان سمجھ نہیں آئے گا۔ میں نے کہا: نہ آئے۔ فرمانے لگے: پھر بٹھانے کا فائدہ؟ میں نے کہا: ان کا ذوق بنے گا غیر مقلدین کے خلاف خصوصاً اور عام اہل باطل کے خلاف عموماً، جب باتیں سنیں گے تو ان کا ذہن بنے گا کہ فلاں ٹھیک ہے اور فلاں غلط۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں زمانہ طالب علمی میں دیکھا ہے، جب یہ بڑے اور بوڑھے بھی ہو جائیں گے تو ان کے ذہن میں ہمارا نام ہو گا کہ فلاں مولانا صاحب ہمارے مدرسے میں آئے تھے اور ہم نے سبق سنا تھا اور جب کوئی بندہ ہمارے نظریے کی تردید کرے گا تو یہ طلبہ اس کی تردید دلائل سے نہ بھی کر سکے تو عقیدت میں تردید ضرور کریں گے کہ نہیں یہ بات غلط ہے، ہم نے فلاں حضرت صاحب سے سنا تھا، وہ غلط بات تو نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے فائدہ بہت ہوتا ہے۔

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے درس قرآن کا طرز:

- 1: پہلے قرآن کریم کے جتنے حصے کا درس دینا ہے اس کی تلاوت فرماتے۔
- 2: اس کے بعد اس کا مکمل ترجمہ فرماتے۔
- 3: پھر تیسرے نمبر پر اس کی تشریح شروع کرتے۔

آپ اس طرز پر درس قرآن دیں گے تو بہت مقبول ہو گا۔

سورت الناس:

سورت الناس کی چھ آیات ہیں میں اس بارے میں مختصر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ سمجھیں کہ قرآن پاک کا آغاز اللہ رب العزت نے جس صفت سے فرمایا ہے وہ صفت ”رب“ ہے۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

[فاتحہ: 1]

”اللہ“ ذات ہے اور ”رب“ اللہ کی صفت ہے۔ قرآن پاک کے درمیان میں جس صفت کا ذکر کیا گیا ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ [حم السجدہ: 1] میں وہ بھی صفت ”رب“ ہے اور قرآن پاک کا جس پر اختتام ہوا وہ بھی صفت ”رب“ ہے یعنی ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾

[الناس: 1]

تو آغاز بھی ”رب“، درمیان بھی ”رب“ اور اختتام بھی ”رب“
دوسری بات یہ سمجھیں کہ انسان جب عالم ارواح میں تھا اللہ رب العزت نے کیا یہ سوال کیا: ”الست بالهکم“؟ [سامعین: نہیں] بلکہ فرمایا ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾

[الاعراف: 172]

جب دنیا میں آئے تو: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾

[حم السجدہ: 1]

اور جب قبر میں جائیں گے تو فرشتہ یوں پوچھے گا: من ربک؟ عالم ارواح میں ”رب“، عالم دنیا میں ”رب“ اور عالم برزخ میں ”رب“۔ قرآن کے آغاز میں ”رب“، درمیان میں ”رب“، اختتام میں ”رب“۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ”رب“ اللہ کی ایسی اہم صفت ہے جس میں ساری صفات آجاتی ہیں۔

لفظ ”رب“ تمام صفات باری تعالیٰ کو جامع ہے:

”رب“ کا معنی ہے وہ ذات جو تدریجاً تربیت کرے اور کمال تک پہنچائے۔ کسی کو ابتداء سے لیکر انتہاء تک لیجائے، اس کا نام ”رب“ ہے۔ جب اس کی تربیت شروع کی تو یہ کچھ بھی نہ تھا اور جب کمال تک پہنچایا تو یہ بہت کچھ بنا۔ ایسی تربیت کون کر سکتا ہے؟

1: وہ ذات جس کو اپنے مربی (جس کی تربیت کرتا ہے) سے محبت بھی ہو۔ اگر محبت نہ ہو تو صحیح تربیت نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے تربیت اولاد کی ماں کے ذمہ بھی ہے اور باپ کے ذمہ بھی، لیکن بچے کی ابتدائی تربیت جس میں بچہ نے دودھ پینا ہے، دانت نکالتے ہیں، اس نے پیشاب کرنا ہے، پاخانا کرنا ہے اس وقت کی تربیت ماں کے ذمہ ہے۔ اس لئے کہ جو محبت ماں کو ہے باپ کو نہیں۔ اس سے اللہ کی صفت ”ودود“ نکلتی ہے اور یہ ذہن میں رکھنا کہ ”ودود“ مؤدت سے ہے۔ مؤدت میں وہ محبت ہے جس میں شفقت ہو اور مفادات نہ ہوں۔ آپ کہیں گے کہ میں نے یہ کہاں سے لیا؟ یہ قرآن کریم میں لکھا ہے ”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً“

[روم: 21]

اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تم دونوں کے درمیان محبت رکھی ہے اور اس کے لیے لفظ ”مَوَدَّةً“ فرمایا۔

2: جس کی تربیت کر رہا ہے اس کے سارے حالات جانتا ہو۔ اس سے اس [مربی] کا کوئی حال پوشیدہ نہ ہو۔ اس سے اللہ کی صفت ”علم“ آئی۔ اللہ عالم الغیب ہے۔

3: صحیح تربیت وہ کر سکتا ہے کہ اگر جس کی تربیت کر رہا ہے اس کی تربیت کے مطابق نہ چلے تو اس کو سزا بھی دے سکتا ہو، جس کی تربیت کی جا رہی ہے وہ یہ سمجھے کہ اگر میں نے اپنے مربی کی بات نہ مانی تو مجھے کچھ نہیں کہہ سکتا تو تربیت اور ہوتی ہے اور یہ پتا ہو کہ میں نے نہ مانا تو

مجھے بہت کچھ کہہ سکتا ہے تو تربیت اور ہوتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت ”ذوانتقام“ [بدلہ لینے والا] اور ”فہار“ وغیرہ آتی۔

4: اس کے تمام افعال و اعمال پر قادر بھی ہو تو صفت ”قدیر“ اور ”قادر“ آتی۔

غرض لفظ ”رب“ میں اللہ تعالیٰ کی ساری صفات آجاتی ہیں۔

اللہ کی تین صفات اور بندے کے تین حالات:

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی تین صفتیں بیان فرمائی ہیں:

1: رب الناس 2: ملک الناس 3: الہ الناس

تین صفتیں اس لئے بیان فرمائی ہیں کہ بندے کے حالات تین ہوتے ہیں۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔

بچپن میں بندہ تربیت کا محتاج ہوتا ہے اور جوانی میں مزاج ہوتا ہے حکومت کا اور پڑھاپے میں مزاج ہوتا ہے معذوری کا۔

”رب الناس“ کہا کہ اے اللہ! آپ نے بچپن میں ہماری تربیت فرمائی ہے، والدین کے دل میں محبت آپ نے ڈالی ہے۔ وجہ کہ آپ رب ہیں۔

”ملک الناس“ کہا کہ جوانی میں لوگوں کو اقتدار کا شوق ہوتا ہے! تو کہا کہ اللہ اصل مالک اور بادشاہ تو تو ہے۔

”الہ الناس“ فرمایا۔ آدمی جب بڑھاپے میں آتا ہے تو جتنا بھی گیا گزرا ہو اس کا رخ عبادت کی طرف ہوتا ہے، تو کہا کہ آپ نے بچپن میں تربیت کی، جوانی میں طاقت دی، اب ہم بوڑھے ہو گئے تو آپ کی عبادت کی طرف آگئے اور آپ کو معبود مان لیا۔

”خناس“ اور اس سے بچاؤ کا طریقہ: (4) الَّذِي يُوسُّوْسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ

اللہ کی پناہ میں آگئے، کس کے شر سے؟ فرمایا مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ اے اللہ! ہمیں ”خناس“ کے وسوسوں کے شر سے بچا۔ ”خناس“ کون ہے؟ اس کی فطرت یہ ہے کہ بندے کے دل میں شبہات پیدا کرتا ہے۔ ان شبہات سے بندہ چند چیزوں کی وجہ سے بچتا ہے۔

1: اپنے علم اور مطالعہ کی وجہ سے لیکن چھوٹے درجہ میں۔

2: لیکن اصل میں بچتا ہے کسی شیخ کی صحبت کی وجہ سے۔ بعض دفعہ بڑے بڑے شبہات علم و مطالعہ کی وجہ سے صاف نہیں ہوتے بلکہ صحبتِ شیخ سے صاف ہو جاتے ہیں۔ صرف دلائل کافی نہیں ہوتے بلکہ صحبت بھی ضروری ہوتی ہے۔ میری ایک نصیحت یاد رکھیں کہ بہت بڑی کم عقلی ہے کہ انسان اپنے علم اور دلائل کی بنیاد پر اپنے شیخ کو چھوڑ دے۔

آج کے دور کا ”خناس“

آج کے دور میں خناس کی سبب سے بڑی قسم دنیا بھر کے ”غیر مقلد“ ہیں۔ میری یہ بات غور سے خود بھی سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں:

گمراہی کے لیے ایک شیطان ہے اور دوسرا خناس۔

شیطان اور خناس کے کام اور دائرہ کار کیا ہے؟ ذرا دھیان سے سمجھیں۔ ابلیس کا تخت سمندر پر لگتا ہے، چھوٹے شیاطین گمراہ کرتے ہیں اور رپورٹ آکر اس ابلیس کو دیتے ہیں۔ لیکن ایک مقام ایسا ہے جہاں شیاطین نہیں جاسکتے وہ ہے ”مسجد“۔ جب اذان ہوتی ہے، حدیث مبارک میں موجود ہے کہ شیطان دوڑتا ہے ”ولہ ضراط“ [صحیح البخاری: 608]

ہوا خارج کرتے ہوئے دوڑتا ہے۔ اب شیطان نے مسجد سے باہر کام کیا، تو اب مسجد کے اندر بھی تو کوئی بندہ گمراہ کرنے کے لیے چاہئے۔ جہاں مسجد اور ہیڈ کوارٹر کی نشریات ختم ہو جائیں تو ان نشریات کو مزید آگے پہنچانے کے لیے ایک اور چیز ہے جسے ”بوسٹر“ کہتے ہیں۔ تو ابلیس کی نشریات سمندر کے تخت سے شروع ہوتی ہیں اور مسجد سے باہر رک جاتی ہیں۔ اسے

اپنی نشریات مسجد تک پہنچانے کے لیے بو سٹر کی ضرورت تھی جو غیر مقلد کی صورت میں اسے مل گیا۔ تو غیر مقلد شیطان کا بو سٹر ہے، جہاں ابلیس کی نشریات نہیں پہنچتیں وہاں یہ پہنچاتا ہے۔ ان دونوں کے کام میں کیا فرق ہے؟ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ دو کام ضروری ہیں؛ ۱: نیک عمل کرنا، ۲: نیک عمل کو آگے لے کر جانا۔

شیطان محنت کرتا ہے کہ بندہ نیک عمل نہ کرے اور غیر مقلد محنت کرتا ہے کہ نیک عمل کرے لیکن اللہ کے ہاں قبول نہ ہو۔ تو خطرناک محنت شیطان کی ہے یا خناس کی؟ [خناس کی۔ سامعین] کیوں؟ [اس لئے کہ] شیطان کی مانیں گے تو آپ دنیا کے مزے کریں گے، آخرت برباد ہوگی۔ خناس کی مانیں گے تو دنیا بھی برباد ہوگئی اور آخرت بھی برباد ہوگی۔

شیطان محنت کرے گا کہ آپ روزہ نہ رکھیں۔ ”کیوں گرمی میں اپنے آپ کو مارتے ہو!“۔ خناس محنت کرتا ہے: ”روزہ تو رکھ لو لیکن سورج غروب ہونے سے دو منٹ پہلے توڑ دینا“۔ شیطان کی ماننے تو چلو شربت پیتے، کھانا کھاتے، آخرت ہی برباد ہوتی، لیکن خناس کی مانی تو بھوک بھی برداشت کی، پیاس بھی برداشت کی اور گئے بھی جہنم میں۔

شیطان اور خناس سے بچاؤ کی محنت:

شیطان کے خلاف محنت کیجائے فضائل والی اور خناس کے خلاف محنت کیجائے دلائل والی۔ تبلیغی جماعت کی محنت فضائل والی ہے اور ہماری محنت دلائل والی ہے۔ تبلیغی نصاب کا نام ہے ”فضائل اعمال“ اور ہماری محنت کا نام ہے ”دلائل اعمال“ فضائل سے امت اعمال پر آجائے گی اور دلائل سے اعمال بچائے گی۔ یہ محنت بھی ضروری وہ بھی ضروری۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ [النحل: 125]

فضائل والی محنت ہے اور وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ۔ دلائل والی محنت ہے۔ اللہ ہمیں دونوں محنتیں کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

آخری بات لفظ ”قل“ کا معنی

آخری بات سمجھیں کہ جب اللہ لفظ ”قل“ کہے تو معنی اور ہے اور جب بندہ ”قل“ کہے تو معنی اور ہے۔ اللہ کے قل کا مطلب ”حکم دینا“ ہے اور بندے کے ”قل“ کا مطلب اللہ کے حکم کو نقل کرنا ہے۔ اس سے بہت بڑی مباحث سمٹ جاتی ہیں۔ میں اس پر ایک مثال دیتا ہوں۔ اہل بدعت اذان سے پہلے ”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ“ پڑھتے ہیں اور اہل السنۃ والجماعت نہیں پڑھتے۔ اہل السنۃ سے پوچھیں کہ آپ کیوں نہیں پڑھتے؟ تو ہمارا جواب ہوتا ہے کہ ہم اس لئے نہیں پڑھتے کہ ہم یہاں زندہ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ دور سے زندہ کو ”یا“ سے پکارنا ادب کے خلاف ہے، اس لئے ہم نہیں پڑھتے۔ اہل بدعت فوراً آپ سے کہیں گے: جب آپ ”التحیات“ پڑھتے ہو تو ”السلام علیک ایہا النبی“ تو کہتے ہو، تو یہاں تو آپ نے بھی نے دور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار لیا۔ اب اس کا جواب لفظ ”قل“ سے دیا جاتا ہے کہ ہم ”السلام علیک ایہا النبی“ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب عرش پہ گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا لائے ہو؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ فرمایا تھا ”التحیات للہ والصلوات والطیبات“۔ اللہ نے فرمایا: ”السلام علیک ایہا النبی“۔ تو یہ خطاب اللہ نے فرمایا لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو فرمایا: ”السلام علیک ایہا النبی“۔ حالانکہ حضور خود نبی ہیں، تو یہ خطاب نہیں تھا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کہا: ”السلام علیک ایہا النبی“۔ تو یہ خطاب نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کو نقل کیا تھا۔ تو اہل بدعت کو ہم کہتے ہیں کہ ”السلام علیک ایہا النبی“ سے ہم حضور کو خطاب نہیں کرتے بلکہ اللہ کے خطاب کو نقل کرتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

نماز اہل سنت والجماعت

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے :

1: عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَهُ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً.

(اتحاف الخيرة المهرة ج 2 ص 216 باب ترك القراءة خلف الامام، رقم الحديث 1832)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہے۔

2: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا سُئِلَ هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ خَلْفَ الْإِمَامِ؟ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الْإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ وَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ.... وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ.

(موطا امام مالک ص 68 باب ترك القراءة خلف الامام فيما جهر فيه، مصنف عبد الرزاق ج 2 ص 91 باب القراءة خلف الامام رقم الحديث 2817، 2818، شرح معانی الآثار ج 1 ص 160 باب القراءة خلف الامام)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ اگر کوئی امام کے پیچھے ہو تو کیا وہ قراءت کرے؟ تو آپ یہ فرماتے تھے کہ جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اسے امام کی قراءت کافی ہے اور اگر اکیلا پڑھ رہا ہو تو پھر قراءت کرے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خود امام کے پیچھے

قراءت نہیں کرتے تھے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی چاہئے، بلکہ خاموشی سے کھڑے ہونا چاہئے۔

امام ”ولا الضالین“ کہے تو آمین کہنا :

1: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَفِي رَوَايَةٍ إِذَا قَالَ الْقَارِئُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ۔ (صحیح البخاری ج 1 ص 108 باب جهر الماموم بالتأمين، صحیح مسلم ج 1 ص 176 باب التسميع والتحميد والتأمين)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہا کرو۔

2: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا آمَنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا۔

(صحیح البخاری ج 1 ص 108 باب جهر الامام بالتأمين، صحیح مسلم ج 1 ص 176 باب التسميع والتحميد والتأمين)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔

امام، مقتدی اور منفرد کا آمین آہستہ کہنا :

1: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ۔ (مسند ابی داؤد الطیالسی ج 1 ص 577 رقم الحديث 1117، مسند احمد ج 14 ص 285 رقم الحديث 18756، المعجم الكبير للطبرانی ج 9 ص 138 رقم الحديث 17472)

2: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز سکھاتے ہوئے فرمایا:

إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تيسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ادْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَأْسَكَ.

(صحیح البخاری ج 1 ص 109 باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا يتم رکوعہ صحیح مسلم ج 1 ص 170 باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة)

ترجمہ: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو تکبیر کہو، پھر جو تمہیں آسان ہو قرآن پڑھو، پھر رکوع کرو اطمینان کے ساتھ۔
تکبیر کہتے ہوئے رکوع کرنا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرُكْعُ.

(صحیح البخاری ج 1 ص 109 باب التكبير اذا قام من السجود، صحیح مسلم ج 1 ص 169 باب اثبات التكبير في كل خفض ورفع)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قیام کی حالت میں تکبیر کہتے پھر جب رکوع میں جاتے تو تکبیر کہتے۔

آداب معاشرت:

سلام میں ہاتھ سے اشارہ کرنا

مولانا محمد ابو بکر اوکاڑوی حفظہ اللہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منا من تشبه بغيرنا
لا تشبهوا بالیہود ولا بالنصارى فان تسليم الیہود الاشارة بالاصابع وتسليم
النصارى الاشارة بالاکف

(ترمذی)

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے
غیروں کے ساتھ مشابہت رکھے تم نہ مشابہت اختیار کرو یہود کے ساتھ اور نہ نصاریٰ کے ساتھ
پس بے شک یہود کا سلام انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرنا ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلی کے اشارے
کے ساتھ ہوتا ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں سلام کرنے کا طریقہ بیان فرمایا گیا ہے اور غیر مسلموں سے
مشابہت اختیار نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے چونکہ یہود و نصاریٰ ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے
تھے یعنی یہود انگلیوں کے اشارہ سے اور نصاریٰ ہاتھ کی ہتھیلی سے اشارہ کرتے تھے۔ لہذا خالفوا
الیہود والنصارى پر عمل کرتے ہوئے اس طریقہ سے منع کیا گیا ہے اور زبان سے سلام
کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ منع اس وقت ہے جب صرف ہاتھ کا اشارہ تو ہو مگر زبان
سے نہ کہے اور اگر ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی سلام کیا جائے تو پھر جائز ہے۔

رمضان کے ضروری مسائل

مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

مسئلہ ۱: رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان پر جو مجنون اور نابالغ نہ ہو فرض ہیں جب تک کوئی عذر نہ ہو روزہ چھوڑنا درست نہیں اور اگر کوئی روزہ کی نذرمان لے تو روزہ فرض ہو جاتا ہے اور قضا اور کفارے کے روزے بھی فرض ہیں اور اس کے سوا اور سب روزے نفل ہیں رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں البتہ عید اور بقر عید سے بعد تین دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

مسئلہ ۲: جب سے فجر کی نماز کا وقت آتا ہے اس وقت سے لے کر سورج ڈوبنے تک روزے کی نیت سے کھانا اور پینا چھوڑ دے اور مرد سے ہمستر بھی نہ ہو شریعت میں اس کو ”روزہ“ کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۳: زبان سے نیت کرنا اور کچھ کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب دل میں یہ دھیان ہے کہ آج میرا روزہ ہے اور سارا دن کچھ کھانا نہ پیانا نہ ہمستر ہوئی تو اس کا روزہ ہو گیا اور اگر کوئی زبان سے بھی کہہ دے کہ یا اللہ میں کل تیرا روزہ رکھوں گی یا عربی میں یہ کہہ دے کہ ”و بصوم غد نويت“ تو بھی کچھ حرج نہیں یہ بھی بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر ۴: اگر کسی نے دن بھر نہ تو کچھ کھانا نہ پینا صبح سے شام تک بھوک پیاسی رہی لیکن دل میں روزہ کا ارادہ نہ تھا بلکہ بھوک نہیں لگی یا کسی اور وجہ سے کچھ کھانے پینے کی نوبت نہیں آئی تو اس کا روزہ نہیں ہوا۔ اگر دل میں روزہ کا ارادہ کر لیتی تو روزہ ہو جاتا۔

مسئلہ ۵: شریعت میں روزہ صبح صادق کے وقت سے شروع ہوتا ہے اس لیے جب تک صبح نہ ہو کھانا پینا وغیرہ سب کچھ جائز ہے بعض عورتیں سحری کھا کر نیت کی دعا پڑھ کر لیٹ رہتی ہے

اور یہ سمجھتی ہیں کہ اب نیت کر لینے کے بعد کچھ کھانا پینا نہیں چاہیے۔ یہ خیال غلط ہے جب تک صبح نہ ہو کھانی سکتی ہے چاہے نیت کر چکی ہو یا ابھی نہ کی ہے۔

رمضان شریف کے روزے

مسئلہ ۱: رمضان شریف کے روزے کی اگر رات سے نیت کر لے تو بھی فرض ادا ہو جاتا ہے اور اگر رات کو روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا بلکہ صبح ہو گئی تب بھی یہی خیال رہا کہ میں آج کا روزہ نہ رکھوں گی۔ پھر دن چڑھے خیال آگیا کہ فرض چھوڑ دینا بری بات ہے اس لیے اب روزہ کی نیت کر لی تب بھی روزہ ہو گیا لیکن اگر صبح کو کچھ کھانی چکی ہو تو اب نیت نہیں کر سکتی۔

مسئلہ ۲: اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے رمضان کے روزے کی نیت کر لینا درست ہے۔

مسئلہ ۳: رمضان شریف کے روزے میں بس اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ آج میرا روزہ ہے یا رات کو اتنا سوچ لے کہ کل میرا روزہ ہے بس اتنی ہی نیت سے بھی رمضان کا روزہ ادا ہو جائے گا اگر نیت میں خاص یہ بات نہ آئی ہو کہ رمضان کا روزہ ہے یا فرض روزہ ہے تب بھی روزہ ہو جائے گا۔

مسئلہ ۴: رمضان کے مہینے میں اگر کسی نے یہ نیت کی کہ میں کل نفل کا روزہ رکھوں گی رمضان کا روزہ نہ رکھوں گی بلکہ اس روزہ کی پھر کبھی قضا رکھ لوں گی تب بھی رمضان ہی کا روزہ ہو گا اور نفل کا نہیں ہو گا۔

مسئلہ ۵: پچھلے رمضان کا روزہ قضا ہو گیا تھا اور پورا سال گزر گیا اب تک اس کی قضا نہیں رکھی پھر جب رمضان کا مہینہ آگیا تو اسی قضا کی نیت سے روزہ رکھا تب بھی اسی رمضان ہی کا روزہ ہو گا اور قضا کا روزہ نہ ہو گا قضا کا روزہ رمضان کے بعد رکھے۔

مسئلہ ۶: کسی نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اللہ تعالیٰ کے لیے دو روزے یا ایک روزہ رکھوں گی پھر جب رمضان کا مہینہ آیا تو اس نے اسی نذر کے روزے رکھنے کی نیت کی رمضان کے روزے کی نیت نہیں کی تب بھی رمضان ہی کا روزہ ہو گا نذر کا نہیں۔ نذر کے روزے رمضان کے بعد پھر رکھے سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ رمضان کے مہینے میں جب کسی روزے کی نیت کرے گی رمضان ہی کا روزہ ہو گا اور کوئی روزہ صحیح نہ ہو گا۔

مسئلہ ۷: شعبان کی انتیسویں تاریخ کو اگر رمضان شریف کا چاند نکل آئے تو صبح کو روزہ رکھو اور اگر نہ نکلے یا آسمان پر ابر ہو اور چاند نہ دکھائی دے تو صبح کو جب تک یہ شبہ رہے کہ رمضان شروع ہوا یا نہیں، روزہ نہ رکھو۔ بلکہ شعبان کے تیس دن پورے کر کے رمضان کے روزے شروع کرو۔

مسئلہ ۸: انتیسویں تاریخ ابر آلود (بادل یا گرد وغیرہ) کی وجہ سے رمضان شریف کا چاند نہیں دکھائی دیا تو صبح کو نفلی روزہ بھی نہ رکھو ہاں اگر ایسا اتفاق ہو جائے کہ ہمیشہ پیر اور جمعرات یا کسی اور مقرر دن کا روزہ رکھا کرتی تھی اور کل وہی دن ہے تو نفل کی نیت سے صبح کو روزہ رکھ لینا بہتر ہے پھر اگر کہیں سے چاند کی خبر آگئی تو اسی نفل روزے سے رمضان کا فرض ادا ہو گیا اب اس کی قضا نہ رکھے۔

مسئلہ ۹: بادل کی وجہ سے انتیس تاریخ کو رمضان کا چاند نہیں دکھائی دیا تو دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک کچھ نہ کھائیں نہ پیئیں۔ اگر کہیں سے خبر آجائے تو اب روزہ کی نیت کر لو اور اگر خبر نہ آئے تو کھائیں پیئیں۔

مسئلہ ۱۰: انتیسویں تاریخ کو چاند نہیں نکلا تو یہ خیال نہ کرو کہ کل کا دن رمضان کا تو ہے نہیں میرے ذمہ جو پچھلے سال کا ایک روزہ ذمہ میں ہے اس کی قضا ہی رکھ لوں یا کوئی نذر مانی تھی اس کا روزہ رکھ لوں اس دن قضا کا روزہ اور کفارہ کا روزہ اور نذر کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے کوئی روزہ نہیں رکھنا چاہیے اگر قضا یا نذر کا روزہ رکھ لیا پھر کہیں سے چاند کی خبر آگئی تو بھی رمضان ہی کا

روزہ ادا ہو گا۔ قضا اور نذر کا روزہ پھر سے رکھے اور اگر خبر نہیں آئی تو جس روزہ کی نیت کی تھی وہی ادا ہو گیا۔

قضا کے روزے

مسئلہ ۱: جو روزے کسی وجہ سے جاتے رہے ہوں رمضان کے بعد بہت جلد ان کی قضا رکھ لیں دیر نہ کریں۔ بلا وجہ قضا رکھنے میں دیر کرنا گناہ ہے۔

مسئلہ ۲: روزے کی قضا میں دن تاریخ مقرر کر کے قضا کی نیت کرنا کہ فلاں تاریخ کے روزے کی قضا رکھتی ہوں یہ ضروری نہیں بلکہ جتنے روزے قضا ہوں اتنے ہی روزے رکھ لینے چاہئیں البتہ اگر دو سال رمضان کے کچھ کچھ روزے قضا ہو گئے اس لیے دونوں سال کے روزے کی قضا رکھنا ہے تو سال کا مقرر کرنا ضروری ہے یعنی اس طرح نیت کرے کہ فلاں سال کے روزوں کی قضا رکھتی ہوں۔

مسئلہ ۳: قضا روزے میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے اگر صبح ہو جانے کے بعد نیت کی تو قضا صحیح نہیں ہوئی بلکہ وہ نفلی روزہ ہو گیا قضا کا روزہ پھر سے رکھے۔

مسئلہ ۴: کفارے کے روزے کا بھی حکم ہے کہ رات سے نیت کرنی چاہیے اگر صبح ہونے کے بعد نیت کی تو کفارہ کا روزہ صحیح نہیں ہوا۔

مسئلہ ۵: جتنے روزے قضا ہو گئے ہیں چاہے سب کو مسلسل رکھ لے چاہے تھوڑے تھوڑے کر کے رکھے دونوں باتیں درست ہیں۔

مسئلہ ۶: اگر رمضان کے روزے ابھی قضا نہیں رکھے اور دوسرا رمضان آگیا تو اب اس رمضان کے اداروزے رکھے اور عید کے بعد قضا رکھے لیکن اتنی دیر کرنا بڑی بات ہے۔

مسئلہ ۷: رمضان کے مہینے میں دن کو بے ہوش ہو گئی اور ایک دن سے زیادہ بے ہوش رہی تو بے ہوشی ہونے کے دن کے علاوہ جتنے دن بے ہوش رہی اتنے دنوں کی قضا رکھے۔ جس دن بے

ہوش ہوئی اس ایک دن کی قضاء واجب نہیں ہے کیونکہ اس دن کا روزہ بوجہ نیت کے درست ہو گیا۔ ہاں! اگر اس دن روزہ سے نہ تھی یا اس دن حلق میں کوئی دوا ڈالی گئی اور وہ حلق سے اتر گئی تو اس دن کی قضاء بھی واجب ہے۔

مسئلہ ۸: اگر رات کو بے ہوش ہوئی ہو تب بھی جس رات کو بے ہوش ہوئی اس ایک دن کی قضاء واجب نہیں ہے باقی اور جتنے دن بے ہوش رہی سب کی قضا واجب ہے ہاں اگر اس رات کو صبح کا روزہ رکھنے کی نیت نہ تھی یا صبح کو کوئی دوا حلق میں ڈالی گئی تو اس دن کا روزہ بھی قضا رکھے۔

مسئلہ ۹: اگر سارے رمضان بھر بے ہوشی رہے تب بھی قضاء رکھنا چاہیے یہ نہ سمجھے کہ سب روزے معاف ہو گئے البتہ اگر جنون ہو گیا اور پورے رمضان بھر دیوانی رہی تو اس رمضان کے کسی روزے کی قضا واجب نہیں اور اگر رمضان شریف کے مہینے میں کسی دن جنون جاتا رہا اور عقل ٹھکانے ہو گئی تو اب سے روزے رکھنے شروع کرے اور جتنے روزے جنون میں گئے ان کی قضا بھی رکھے۔

نذر کے روزے

مسئلہ ۱: جب کوئی روزہ کی نذر مانے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے اگر نہ رکھے گی تو گناہ گار ہوگی

مسئلہ ۲: نذر دو طرح کی ہے: ایک تو یہ کہ دن تاریخ مقرر کر کے نذر مانی کہ ”یا اللہ! اگر آج فلاں کام ہو جائے تو کل ہی تیرا روزہ رکھوں گی۔“ یا یوں کہا کہ ”یا اللہ! میری فلاں مراد پوری ہو جائے تو پرسوں جمعہ کے دن روزہ رکھوں گی۔“ ایسی نذر میں اگر رات سے روزہ کی نیت کرے تو بھی درست ہے اگر اگر رات سے نیت نہ کی تو دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے پہلے نیت کر لے یہ بھی درست ہے نذر ادا ہو جائے گی۔

مسئلہ ۳: جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی اور جب جمعہ آیا تو بس اتنی نیت کر لی کہ آج میرا روزہ ہے یہ مقرر نہیں کیا کہ یہ نذر کا روزہ ہے یا کہ نفل کی نیت کر لی تب بھی نذر کا روزہ ادا ہو گا البتہ اس جمعہ کو قضا کا روزہ ہو جائے گا نذر کا روزہ پھر رکھے۔

مسئلہ ۴: دوسری نذریہ ہے کہ دن تاریخ مقرر کر کے نذر نہیں مانی بس اتنا ہی کہا: ”یا اللہ! اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو ایک روزہ رکھوں گی یا کسی کا نام نہیں لیا ویسے ہی کہہ دیا کہ پانچ روزے رکھوں گی ایسی نذر میں رات سے نیت کرنا شرط ہے۔ اگر صبح ہو جانے کے بعد نیت کی تو نذر کا روزہ نہیں ہو بلکہ وہ روزہ نفل ہو گیا۔

نفل کے روزے

مسئلہ ۱: نفل روزے کی نیت اگر یہ مقرر کر کے کرے کہ میں نفل کا روزہ رکھتی ہوں تو بھی صحیح ہے اور اگر فقط اتنی نیت کرے کہ میں روزہ رکھتی ہوں تب بھی صحیح ہے۔

مسئلہ ۲: دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک نفل کی نیت کر لینا درست ہے اگر دس بجے دن تک مثلاً روزے رکھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن ابھی تک کچھ کھایا یا نہیں پھر دل میں آگیا اور روزہ رکھ لیا تو بھی درست ہے۔

مسئلہ ۳: رمضان شریف کے مہینے کے سوا جس دن چاہے نفل کا روزہ رکھے جتنے زیادہ رکھے گی زیادہ ثواب پائے گی۔ البتہ عید الفطر کے دن اور بقر عید کی دسویں گیارہویں بارہویں اور تیرہویں سال بھر میں فقط پانچ دن روزے رکھنے حرام ہیں اس کے سوا سب روزے درست ہیں۔

مسئلہ ۴: اگر کوئی عید کے دن روزہ رکھنے کی منت مانے تب بھی اس دن کا روزہ درست نہیں اس کے بدلے کسی اور دن رکھ لے۔

مسئلہ ۵: اگر کسی نے یہ منت مانی کہ میں پورے سال کے روزے رکھوں گی سال میں کسی دن کا روزہ بھی نہ چھوڑو گی تب بھی یہ پانچ روزے نہ رکھے باقی سب رکھ لے پھر ان پانچ روزوں کی قضا رکھ لے۔

مسئلہ ۶: نفل کا روزہ نیت کرنے سے واجب ہو جاتا ہے سو اگر صبح صادق سے پہلے یہ نیت کی کہ آج میرا روزہ ہے پھر اس کے بعد توڑ دیا تو اب اس کی قضا رکھے۔

مسئلہ ۷: کسی نے رات کو ارادہ کیا کہ میں کل روزہ رکھوں گی لیکن پھر صبح صادق ہونے سے پہلے ارادہ بدل گیا اور روزہ نہیں رکھا تو قضا واجب نہیں۔

مسئلہ ۸: شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھنا درست نہیں اگر اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھ لیا تو اس کے توڑوانے سے توڑ دینا درست ہے پھر جب وہ کہے تب اس کی قضا رکھے۔

مسئلہ ۹: کسی کے گھر مہمان گئی یا کسی نے دعوت کر دی اور کھانا نہ کھانے سے اس کا جی بُرا ہو گا دل شکنی ہو گی تو اس کی خاطر سے نفل روزہ توڑ دینا درست ہے اور مہمان کی خاطر سے گھر والی کو بھی توڑ دینا درست ہے۔

مسئلہ ۱۰: کسی نے عید کے دن نفل روزہ رکھ لیا اور نیت کر لی تب بھی توڑ دے اور اس کی قضا رکھنا بھی واجب نہیں۔

مسئلہ ۱۱: محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی یہ روزہ رکھے اس کے گزرے ہوئے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے صرف دسویں کو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ ۱۲: اس طرح بقر عید کی نویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا بھی ثواب ہے اس سے ایک سال کے اگلے اور ایک سال کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر شروع چاند سے نویں تک برابر روزے رکھے تو بہت ہی بہتر ہے۔

مسئلہ ۱۳: شب برأت کی پندرہویں اور شوال کے چھ دن نفل روزہ رکھنے کا بھی اور نفلوں سے زیادہ ثواب ہے۔

مسئلہ ۱۴: اگر ہر مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تین دن روزہ رکھ لیا کرے تو گویا اس نے سال بھر مسلسل روزے رکھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تین روزے رکھا کرتے تھے ایسے ہی ہر پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے اگر کوئی ہمت کرے تو اس کا بھی بہت ثواب ہے۔

کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹا/ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا یا کفارہ لازم آتا ہے؟
مسئلہ ۱: اگر روزہ دار بھول کر کچھ کھالے یا پی لے یا بھولے سے خاوند سے ہمستر ہو جائے تو اس کا روزہ نہیں گیا۔ اگر بھول کر پیٹ بھر کر بھی کھاپی لے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا۔ اگر بھول کر کئی دفعہ کھاپی لیا تب بھی روزہ نہیں گیا۔

مسئلہ ۲: ایک شخص کو بھول کر کچھ کھاتے پیتے دیکھا تو اگر وہ اس قدر طاقت ور ہے کہ روزہ سے زیادہ تکلیف نہیں ہوتی تو روزہ یاد دلادینا واجب ہے اور اگر کوئی ناطاقت ہو کہ روزہ سے تکلیف ہوتی ہے تو اس کو یاد نہ دلاوے کھانے دیوے۔

مسئلہ ۳: حلق کے اندر مکھی چلی گئی یا خود بخود دھواں چلا گیا یا گرد و غبار چلا گیا تو روزہ نہیں گیا البتہ اگر قصد ایسا کیا تو روزہ جاتا رہا۔

مسئلہ ۴: لوہان (ایک قسم کی گوند جو آگ پر رکھنے سے خوشبو دیتا ہے) وغیرہ کوئی دھونی سلگائی پھر اس کو اپنے پاس رکھ کر سو نکھا تو روزہ جاتا رہا اسی طرح حقہ پینے سے بھی روزہ جاتا رہتا ہے البتہ اس دھونیں کے سوا عطر کیوڑہ گلاب پھول اور خوشبو سو نکھنا جس میں دھواں نہ ہو درست ہے۔

مسئلہ ۵: دانتوں میں گوشت کا ریشہ اٹکا ہوا تھا یا کوئی اور چیز تھی اس کو خال سے نکال کر کھا گئی لیکن منہ سے باہر نہیں نکالا آپ ہی آپ حلق میں چلی گئی تو دیکھو اگر چنے سے کم ہے تب تو روزہ

نہیں گیا اور اگر چنے کے برابر اس سے زیادہ ہے تو جاتا رہا البتہ اگر منہ سے باہر نکال لیا تھا پھر اس کے بعد نگل گئی تو ہر حال میں روزہ ٹوٹ گیا چاہے وہ چیز چنے کے برابر ہو یا اس سے بھی کم ہو دونوں کا ایک حکم ہے۔

مسئلہ ۶: تھوک نگلنے سے روزہ نہیں جاتا چاہے جتنا ہو۔

مسئلہ ۷: اگر پان کھا کر خوب کلی غرغہ کر کے منہ صاف کر لیا لیکن تھوک کی سرخی نہیں گئی تو اس کا کچھ حرج نہیں روزہ ہو گیا۔

مسئلہ ۸: ناک کو اتنے زور سے سُترک لیا کہ حلق میں چلی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹا اسی طرح منہ کی رال سُترک کر نگل جانے سے روزہ نہیں جاتا۔

مسئلہ ۹: منہ میں پان دبا کر سو گئی اور صبح ہو جانے کے بعد آنکھ کھلی تو روزہ نہیں ہوا قضا رکھے اور کفارہ واجب نہیں۔

مسئلہ ۱۰: کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلا گیا اور روزہ یاد تھا تو روزہ جاتا رہا قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں۔

مسئلہ ۱۱: آپ ہی قے ہو گئی تو روزہ نہیں گیا چاہے تھوڑی سی قے ہوئی یا زیادہ۔ البتہ اگر اپنے اختیار سے قے کی اور منہ بھر کے تھی تو روزہ جاتا رہا اور اگر اس سے تھوڑی ہو تو خود کرنے سے بھی نہیں گیا۔

مسئلہ ۱۲: تھوڑی سی قے آئی پھر آپ ہی آپ حلق میں لوٹ گئی تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا البتہ اگر قصد الوٹا لیا تو روزہ ٹوٹ جاتا۔

مسئلہ ۱۳: کسی نے کنکری یا لوہے کا ٹکڑا وغیرہ کوئی ایسی چیز کھالی جس کو نہیں کھایا کرتے اور نہ اس کو کوئی بطور دوا کے کھاتا ہے تو اس کا روزہ جاتا رہا لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں اور اگر ایسی چیز کھالی یا پی لی جس کو لوگ کھایا کرتے ہیں یا کوئی ایسی چیز ہے کہ یوں تو نہیں کھاتے لیکن بطور دوا کے ضرورت کے وقت کھاتے ہیں تو بھی روزہ جاتا رہا اور قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں۔

مسئلہ ۱۴: روزے کے توڑنے سے کفارہ جب ہی لازم آتا ہے جب کہ رمضان شریف میں روزہ توڑ ڈالے رمضان شریف کے سوا اور کسی روزے کے توڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا چاہے جس طرح توڑے اگرچہ وہ روزہ رمضان کی قضا ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اگر اس روزہ کی نیت رات سے نہ کی ہو یا روزہ توڑنے کے بعد اسی دن حیض آگیا ہو تو اس کے کو توڑنے سے کفارہ واجب نہیں۔

مسئلہ ۱۵: کسی نے روزہ میں ناس لیا (ہلاس یا نسوار کو ناک میں چڑھایا) یا ... حقنہ کر لیا اور پینے کی دوا نہیں پی تب بھی روزہ جاتا رہا لیکن صرف قضا واجب ہے اور کفارہ واجب نہیں اور اگر کان میں پانی (یا دوا... ازناقل) ڈالا تو روزہ نہیں گیا۔

مسئلہ ۱۶: منہ سے خون نکلتا ہے اس کو تھوک کے ساتھ نگل گئی تو روزہ ٹوٹ گیا البتہ اگر خون تھوک سے کم ہو اور خون کا مزہ حلق میں معلوم نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

مسئلہ ۱۷: اگر زبان سے کوئی چیز چکھ کر تھوک دی تو روزہ نہیں ٹوٹا لیکن خواہ مخواہ ایسا کرنا مکروہ ہے ہاں! اگر کسی کا شوہر بڑا بد مزاج ہو اور یہ ڈر ہو کہ اگر سالن میں نمک وغیرہ درست نہ ہو تو ناک میں دم کر دے گا اس کو نمک چکھ لینا درست ہے اور مکروہ نہیں۔

مسئلہ ۱۸: کسی چیز کو اپنے منہ سے چبا کر چھوٹے بچے کو کھلانا مکروہ ہے البتہ اگر اس کی ضرورت پڑے اور مجبوری و ناچاری ہو جائے تو مکروہ نہیں۔

مسئلہ ۱۹: کوئلہ چبا کر دانت مانجھنا اور منجن (ٹوتھ پیسٹ) سے دانت مانجھنا مکروہ ہے اور اگر اس میں سے کچھ حلق میں اتر جائے تو روزہ جاتا رہے گا اور مسواک سے دانت صاف کرنا درست ہے چاہے سوکھی مسواک ہو یا تازی اسی وقت کی توڑی ہوئی اگر نیم کی مسواک ہے اور اس کا ٹرواپن منہ میں معلوم ہوتا ہے تب بھی مکروہ نہیں۔

مسئلہ ۲۰: کسی نے بھولے سے کچھ کھالیا اور یوں سمجھی کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا اس وجہ سے پھر قصد کچھ کھالیا تو اب روزہ جاتا رہا فقط قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں۔

مسئلہ ۲۱: اگر کسی کو قے آگئی اور وہ سمجھی کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا اس گمان پر پھر قصد اُکھالیا اور روزہ توڑ دیا تو بھی قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں۔

مسئلہ ۲۲: اگر سرمہ لگایا یا تیل ڈالا پھر سمجھی کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا اور پھر قصد اُکھالیا تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

مسئلہ ۲۳: رمضان کے مہینے میں اگر کسی کا روزہ اتفاقاً ٹوٹ گیا تو روزہ ٹوٹنے کے بعد بھی دن میں کچھ کھانا پینا درست نہیں ہے سارے دن روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے۔

سحری اور افطاری

مسئلہ ۱: سحری کھانا سنت ہے اگر بھوک نہ ہو اور کھانا نہ کھائے تو کم سے کم دو تین چھوہارے ہی کھالے یا کوئی اور چیز تھوڑی بہت کھالے کچھ نہ سہی تو تھوڑا سا پانی ہی پی لے۔

مسئلہ ۲: اگر کسی نے سحری نہ کھائی اور اٹھ کر ایک آدھ پان کھالیا تو بھی سحری کھانے کا ثواب مل گیا۔

مسئلہ ۳: سحری میں جہاں تک ہو سکے دیر کر کے کھانا بہتر ہے لیکن اتنی دیر نہ کرے کہ صبح ہونے لگے اور روزہ میں شبہ پڑ جائے۔

مسئلہ ۴: اگر سحری بڑی جلدی کھالی مگر اس کے بعد پان تمباکو چائے پانی دیر تک کھاتی پیتی رہی جب صبح ہونے میں تھوڑی دیر رہ گئی تب کلی کر ڈالی تب بھی ثواب مل گیا۔

مسئلہ ۵: اگر رات کو سحری کھانے کے لیے آنکھ نہ کھلی سب کے سب سو گئے تو بے سحری کھائے صبح کا روزہ رکھو سحری چھوٹ جانے سے روزہ چھوڑ دینا بڑی کم ہمتی کی بات اور بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ ۶: جب تک صبح نہ ہو اور فجر کا وقت نہ آئے... تب تک سحری کھانا درست ہے اس کے بعد درست نہیں۔ (آج کل رمضان المبارک میں مساجد وغیرہ میں سحری کے ختم ہونے کا وقت بھی بتلایا جاتا ہے لہذا جو نہی سحری ختم ہونے کا کہا جائے تو فوراً کھانا پینا بند کر دیں ورنہ روزہ

نہیں ہوگا بعض خواتین اور مرد اس اعلان کے بعد بھی کھاتے رہتے ہیں اور فجر کی اذان تک کھانے پینے پر لگے رہتے ہیں یاد رکھیں یہ روزہ ہر گز نہیں ہوگا اور سارا دن بھوکا پیاسا رہنا کوئی فائدہ نہیں دے گا اور ذمہ میں روزے باقی رہیں گے اور رمضان کی مبارک گھڑیوں سے بھی محرومیت ہوگی بلکہ جیسے ایک روایت میں ہے کہ اگر ساری زندگی بھی روزہ رکھا جائے تو بھی رمضان کے روزے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بہت پرہیز کریں کہ جو نہی مسجد وغیرہ سے سحری ختم ہونے کا کہا جائے فوراً کھانا پینا بند کر دیں اور نماز فجر کی تیاری شروع کر دیں... (ازناقل) مسئلہ ۷: کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ خیال ہوا کہ ابھی رات باقی ہے اس گمان پر سحری کھالی پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو جانے کے بعد سحری کھائی تھی تو روزہ نہیں ہوا قضا رکھے اور کفارہ واجب نہیں لیکن پھر بھی کچھ کھائے پئے نہیں روزہ داروں کی طرح رہے۔ اسی طرح اگر سورج ڈوبنے کے گمان سے روزہ کھول لیا پھر سورج نکل آیا تو روزہ جاتا رہا اس کی قضا کرے کفارہ واجب نہیں اور اب جب تک سورج نہ ڈوب جائے کچھ کھانا پینا درست نہیں۔

مسئلہ ۸: اگر اتنی دیر ہو گئی کہ صبح ہو جانے کا شبہ پڑ گیا تو اب کچھ کھانا مکروہ ہے اور اگر ایسے وقت کچھ کھالیا یا پانی پی لیا تو گناہ ہے پھر اگر معلوم ہو گیا کہ اس وقت صبح ہو گئی تھی تو اس روزہ کی قضا رکھے اور اگر کچھ نہ معلوم ہو شبہ ہی شبہ رہ جائے تو قضا رکھنا واجب نہں۔ یہ ہے لیکن احتیاط کی بات یہ ہے کہ اس کی قضا کھ لے۔

مسئلہ ۹: مستحب یہ ہے کہ جب سورج یقیناً ڈوب جائے تو تب روزہ کھول ڈالے دیر کر کے روزہ کھولنا مکروہ ہے۔

مسئلہ ۱۰: بادل والے دن ذرا دیر کر کے روزہ افطار کریں۔ ب بخوب یقین ہو جائے کہ سورج ڈوب گیا ہو گاتب افطار کرو۔

مسئلہ ۱۱: چھوہارے سے روزہ کھولنا بہتر ہے یا اور کوئی میٹھی چیز ہو اس سے افطار کرے وہ بھی نہ ہو تو پانی سے افطار کرے بعض خواتین اور بعض مرد نمک سے افطار کرتے ہیں اور اس میں ثواب سمجھتے ہیں یہ غلط عقیدہ ہے۔

مسئلہ ۱۲: جب تک سورج کے ڈوبنے میں شبہ رہے تب تک افطار کرنا جائز نہیں۔
کن وجوہ سے روزہ توڑ دینا جائز ہے؟؟

مسئلہ ۱: اچانک ایسی بیمار پڑ گئی کہ اگر روزہ نہ توڑا تو جان چلی جائے گی یا بیماری بہت بڑھ جائے گی تو روزہ توڑ دینا درست ہے جیسے اچانک پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ بیتاب ہو گئی یا سانپ نے کاٹ لیا تو دوپائی لیا اور روزہ توڑ دینا درست ہے ایسے ہی اگر ایسی پیاس لگی کہ مر جانے کا پورا قوی امکان تو بھی روزہ توڑ ڈالنا درست ہے۔

مسئلہ ۲: حاملہ عورت کو کوئی ایسی بات پیش آگئی جس سے اپنی جان کا یا بچے کی جان جانے کا ڈر ہے تو روزہ توڑ ڈالنا درست ہے۔

مسئلہ ۳: کھانا پکانے کی وجہ سے بے حد پیاس لگ آئی اور اتنی بیتابی ہو گئی کہ اب جان کا خوف ہے تو روزہ کھول ڈالنا درست ہے لیکن اگر خود اس نے قصداً اتنا کام کیا جس سے ایسی حالت ہو گئی تو گناہ گار ہوگی۔

کن وجوہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے؟؟

مسئلہ ۱: اگر ایسی بیماری ہے کہ روزہ نقصان کرتا ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر روزہ رکھے گی تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھی ہوگی یا جان جاتی رہے گی تو روزہ نہ رکھے جب اچھی ہو جائے تو اس کی قضا رکھ لے لیکن فقط اپنا دل سے ایسا خیال کر لینے سے روزہ چھوڑ دینا درست نہیں ہے بلکہ جب کوئی مسلمان دیندار طبیب کہہ دے کہ روزہ تم کو نقصان کرے گا تب چھوڑنا چاہیے۔

مسئلہ ۲: اگر حکیم یا ڈاکٹر کا فرہے یا شرع کا پابند نہیں ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہے فقط اس کے کہنے سے روزہ نہ چھوڑے۔

مسئلہ ۳: اگر حکیم نے تو کچھ کہا نہیں لیکن خود اپنا تجربہ ہے اور کچھ ایسی نشانیاں معلوم ہوئیں جن کی وجہ سے دل گواہی دیتا ہے کہ روزہ نقصان کرے گا تب بھی روزہ نہ رکھے اور اگر خود تجربہ کار نہ ہو اور اس بیماری کا کچھ حال معلوم نہ ہو فقط خیال کا اعتبار نہیں اگر دیندار حکیم (ڈاکٹر) کے بغیر بتائے اور بغیر تجربے کے اپنے خیال ہی خیال پر رمضان کا روزہ توڑے گی تو کفارہ دینا پڑے گا اور اگر روزہ نہ رکھے گی تو گناہ گار ہوگی۔

مسئلہ ۴: اگر بیماری سے اچھی ہو گئی لیکن ابھی ضعف باقی ہے اور یہ غالب گمان ہے کہ اگر روزہ رکھا تو پھر بیمار ہو جائے گی تب بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ ۵: اگر کوئی سفر میں ہو تو اس کے لیے بھی درست ہے کہ روزہ نہ رکھے پھر کبھی اس کی قضا رکھ لے اور سفر کے مہینے وہی ہیں جس کا نماز کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے (یعنی ۷۷ کلومیٹر سفر شرعی... از ناقل)

مسئلہ ۶: سفر میں اگر روزے سے کوئی تکلیف نہ ہو جیسے ریل پر سوار ہے اور یہ خیال ہے کہ شام تک گھر پہنچ جائوں گی یا اپنے ساتھ سب راحت و آرام کا سامان موجود ہے تو ایسے وقت سفر میں بھی روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور اگر روزہ نہ رکھے تب بھی کوئی گناہ نہیں ہاں رمضان شریف کے روزے کی جو فضیلت ہے اس سے محروم رہے گی اور اگر راستہ میں روزہ کی وجہ سے تکلیف اور پریشانی ہو تو ایسے وقت روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

مسئلہ ۷: اگر بیماری سے اچھی نہیں ہوئی اسی میں مر گئی یا ابھی گھر نہیں پہنچی سفر ہی میں مر گئی تو جتنے روزے بیماری یا سفر کی وجہ سے چھوڑے ہیں آخرت میں ان مواخذہ نہ ہو گا کیونکہ قضا رکھنے کی مہلت ابھی اس کو نہیں ملی تھی۔

مسئلہ ۸: اگر بیماری میں دس روزے گئے تھے پھر پانچ دن اچھی رہی لیکن قضا روزے نہیں رکھے تو پانچ روزے تو معاف فقط پانچ روزوں کی قضا نہ رکھنے پر پکڑی جائے گی اور اگر پورے دس دن اچھی رہی تو پورے دسوں دن کی پکڑ ہوگی اس لیے ضروری ہے کہ جتنے روزوں کا مواخذہ اس پر ہونے والا ہے اتنے دنوں کا فدیہ دینے کے لیے وصیت کر جائے جب کہ اس کے پاس مال ہو

مسئلہ ۹: اسی طرح اگر سفر میں روزے چھوڑ دیے تھے پھر گھر پہنچنے کے بعد مرگئی تو جتنے دن گھر میں رہی ہے فقط اتنے دن کی پکڑ ہوگی اس کو بھی چاہیے کہ فدیہ کی وصیت کر جائے۔ اگر روزے گھر رہنے کی مدت سے زیادہ چھوٹے ہوں تو ان کا مواخذہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۰: اگر راستہ میں پندرہ دن رہنے کی نیت سے ٹھہر گئی تو اب روزہ چھوڑنا درست نہیں کیونکہ شریعت میں اب وہ مسافر نہیں رہی، البتہ اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو تو روزہ نہ رکھنا درست ہے۔

مسئلہ ۱۱: حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو جب اپنی جان کا یا بچہ کی جان کا ڈر ہو تو روزہ نہ رکھے پھر کبھی قضا رکھ لے لیکن اگر اپنا شوہر مالدار ہے کہ کوئی آٹا (بچوں کو دودھ پلانے والی) رکھ کر دودھ پلواسکتا ہے تو دودھ پلانے کی وجہ سے ماں کو روزہ چھوڑنا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ ایسا بچہ کہ سوائے اپنی ماں کے کسی اور کا دودھ نہیں پیتا تو ایسے وقت ماں کو روزہ نہ رکھنا درست ہے۔

مسئلہ ۱۲: کسی آٹا (بچوں کو دودھ پلانے والی) نے دودھ پلانے کی نوکری کی پھر رمضان آگیا اور روزہ سے بچ کی جان کا ڈر ہے تو آٹا کو بھی روزہ نہ رکھنا درست ہے۔

مسئلہ ۱۵: اسی طرح اگر کوئی دن کو مسلمان ہوئی یا دن کو جو ان ہوئی تو اب دن بھر کچھ کھانا پینا درست نہیں اگر کچھ کھالیا تو اس روزہ کی قضا رکھنا بھی نئی مسلمان اور نئی جو ان کے ذمے واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۶: سفر میں روزہ نہ رکھنے کا ارادہ تھا لیکن دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے ہی اپنے گھر پہنچ گئی یا ایسے وقت میں پندرہ دن رہنے کی نیت سے کہیں رہ پڑی اور اب تک کچھ کھایا یا نہیں ہے تو اب روزہ کی نیت کر لینا درست ہے۔

فدیہ اور اس کے احکام کیا ہیں؟؟

مسئلہ ۱: جس کو اتنا بڑھا پا ہو گیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی یا اتنی بیمار ہے کہ اب اچھے ہونے کی امید نہیں نہ روزے رکھنے کی طاقت ہے تو وہ روزے نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو صدقہ فطر کے برابر غلہ دے دے یا صبح شام پیٹ بھر کے اس کو کھلا دے شریعت میں اس کو ”فدیہ“ کہتے ہیں اور اگر غلہ کے بدلے اسی قدر غلہ کی قیمت دے دے تب بھی درست ہے۔

مسئلہ ۲: وہ فدیہ کا غلہ اگر تھوڑے تھوڑے کر کے کئی مسکینوں کو بانٹ دے تو بھی صحیح ہے۔
مسئلہ ۳: پھر اگر کبھی طاقت آگئی یا بیماری سے اچھی ہو گئی تو سب روزے قضا رکھنے پڑیں گے اور جو فدیہ دیا ہے اس کا ثواب الگ ملے گا۔

مسئلہ ۴: کسی کے ذمہ کئی روزے قضا تھے اور مرتے وقت وصیت کر گئی کہ میرے روزوں کے بدلے فدیہ دے دینا تو اس کے مال میں سے اس کا وہی فدیہ دے دے اور کفن دفن اور قرض ادا کر کے جتنا مال بچے اس کی ایک تہائی میں سے اگر سب فدیہ نکل آوے تو دینا واجب ہو گا۔

مسئلہ ۵: اگر اس نے وصیت نہیں کی مگر ولی نے اپنے مال میں سے فدیہ دے دیا تب بھی خدا سے امید رکھے کہ شاید قبول کر لے اور اب روزوں کا مواخذہ نہ کرے اور بغیر وصیت کئے خود مردے کے مال میں سے فدیہ دینا جائز نہیں ہے اس طرح اگر تہائی مال سے فدیہ زیادہ ہو جائے تو باوجود وصیت کے بھی زیادہ دینا بغیر رضا مندی سب وارثوں کے جائز نہیں ہاں! اگر سب

وارث خوش دلی سے راضی ہو جائیں تو دونوں صورتوں میں فدیہ دینا درست ہے لیکن نابالغ وارث کی اجازت کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں۔ بالغ وارث اپنا حصہ جدا کر کے اس میں سے دے دیں تو درست ہے۔

مسئلہ ۶: اگر کسی کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور وصیت کر کے مر گئی کہ میری نمازوں کے بدلے میں فدیہ دے دینا اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ ۷: ہر وقت کی نماز کا اتنا ہی فدیہ ہے جتنا ایک روزے کا فدیہ ہے اس حساب سے دن رات کے پانچ فرض اور ایک وترچہ نمازوں کی طرف سے ایک چھٹانگ کم پونے گیارہ سیر دے مگر احتیاطاً پورے بارہ سیر دے۔ (قیمت کا اندازہ اپنے اپنے علاقے کے اعتبار سے لگائیں کیونکہ ہر علاقے میں نرخ متفاوت ہوتے ہیں مزید اپنے علاقے کے علماء اور مفتیان کرام سے اس مسئلہ کو خوب سمجھ لے... از ناقل)

مسئلہ ۸: کسی کے ذمے زکوٰۃ باقی ہے ابھی ادا نہیں کی تو وصیت کر جانے سے اس کا بھی ادا کر دینا وارثوں پر واجب ہے، اگر وصیت نہیں کی اور وارثوں نے اپنی خوشی سے دے دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

مسئلہ ۹: اگر ولی مردے کی طرف سے قضاء روزے رکھ لے یا اس کی طرف سے قضا نمازیں پڑھ لے تو یہ درست نہیں یعنی اس کے ذمہ سے نہ اتریں گی۔

مسئلہ ۱۰: بغیر کسی وجہ کے رمضان کا روزہ چھوڑ دینا درست نہیں اور بڑا گناہ ہے یہ نہ سمجھے کہ اس کے بدلے ایک روزہ قضا رکھ لوں گی کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رمضان کے ایک روزے کے بدلے میں اگر سال بھر برابر روزے رکھتی رہے تب بھی اتنا ثواب نہ ملے گا جتنا رمضان میں ایک روزے کا ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ ۱۱: اگر کسی نے شامت اعمال سے روزہ نہ رکھا تو اور لوگوں کے سامنے کچھ کھائے نہ پیے نہ یہ ظاہر کرے کہ آج میرا روزہ نہیں ہے اس لیے کہ گناہ کر کے اس کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے۔

اگر سب سے کہہ دے گی تو دہراگناہ ہوگا ایک تو روزہ نہ رکھنے کا دوسرا گناہ ظاہر کرنے کا۔ یہ جو مشہور ہے کہ ”خدا کی چوری نہیں تو بندے کی کیا چوری؟“ یہ غلط بات ہے بلکہ جو کسی عذر سے روزہ نہ رکھے اس کو بھی مناسب ہے کہ سب کے روبرو نہ کھائے۔

مسئلہ ۱۲: جب لڑکا یا لڑکی روزہ رکھنے کے لائق ہو جائیں تو ان کو بھی روزہ کا حکم کریں اور جب دس برس کی عمر ہو جائیں تو مار کر روزہ رکھوائیں اگر سارے روزے نہ رکھ سکے تو جتنے رکھ سکے رکھوائیں۔

مسئلہ ۱۳: اگر نابالغ لڑکا لڑکی روزہ رکھ کر توڑ ڈالے تو اس کی قضائے رکھوائیں البتہ اگر نماز کی نیت کر کے توڑ دے تو اس کو دوبارہ پڑھوائیں۔

اعتکاف کیسے کیا جائے؟؟

رمضان شریف کی بیسویں تاریخ کے دن سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے رمضان کی انیس یا تیس تاریخ یعنی جس دن عید کا چاند نظر آئے اس تاریخ کے سورج غروب ہونے تک اپنے گھر میں جہاں نماز پڑھنے کے لیے جگہ مقرر کر رکھی ہو اس جگہ پر پابندی سے جم کر بیٹھے اس کو ”اعتکاف“ کہتے ہیں اس کا بڑا ثواب ہے اگر اعتکاف شروع کرے تو فقط پیشاب پاخانہ یا کھانے پینے کی ناچاری سے تو وہاں سے اٹھنا درست ہے اور اگر کوئی کھانا پانی دینے والا ہو تو اس کے لیے بھی نہ اٹھے۔ ہر وقت اسی جگہ رہے اور وہیں سوے اور بہتر یہ ہے کہ بیکار نہ رہے قرآن پڑھتی رہے نفلیں اور تسبیحات جو توفیق ہو اس میں لگی رہے اور اگر حیض یا نفاس آجاوے تو اعتکاف چھوڑ دے اس میں درست نہیں اور اعتکاف میں مرد سے ہمستر ہونا پلٹنا چمٹنا بھی درست نہیں۔

علم کی دنیا کا اچھوتا نام



پروپرائیٹر: ملک مواد اینڈ سنز

ہمارے ہاں

قرآن کریم، سپارے، قاعدے، تراجم، تفاسیر، احادیث، فقہ اور دیگر موضوعات پر مبنی علمی، اصلاحی، تحقیقی اور دنیا بھر کے نامور محققین، علماء کرام، سکالرز کی شہرہ آفاق تصانیف سستے نرخ پر دستیاب ہیں

نوٹ: مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ کی تمام مطبوعات دستیاب ہیں

فون 0543551148 کشمیر بک ڈپو تلہ گنگ روڑ چکوال

